

مجموعہ وفا، یہ جان رسکن کے ایک دلچسپ قصے گنگ آف دی گولڈن روڈ کا ترجمہ ہے لیکن اس قدر فصیح ہے کہ ترجمہ نہیں معلوم ہوتا، جناب میڈیٹلکٹ حسین صاحب راہولوی نے لڑکیوں اور لڑکوں کو اخلاقی تعلیم دینے کے لئے اس قسم کے رسالوں کا ایک سلسلہ شروع کیا ہے، مجموعہ وفا اس سلسلہ کا پہلا رسالہ ہے، قیمت ۳۰ روپے

دونوں رسالوں کے ملنے کا پتہ محمد عبدالغفور صاحب شرفی کتب خانہ لاہور،

مسلم: مولانا کفایت اللہ صاحب صدر جمعیتہ علماء ہند کی سرپرستی میں اس نام کا ایک ہفتہ وار اخبار دہلی سے شائع ہوا ہے، جو صحافت کی متعدد خوبیوں کا جامع ہے، اور اسلامی اور ملکی مسائل پر آزادانہ رائے ظاہر کرتا ہے، قیمت سالانہ لکھ روپے، پتہ: کوچہ چیلان دہلی،

عبرت: مولوی اکبر شاہ خان صاحب نجیب آبادی ایک کاسیاب ایڈیٹر ہیں، یہ رسالہ انہی کی ایڈیٹری میں نجیب آباد سے شائع ہوتا ہے، زیر ریویو پرچہ میں احمد آباد گجرات، ایک سوال اور اسکا جواب، اشاعت اسلام پر ایک نظر، تندن یورپ پر اسلام کا اثر، زردشت کا اثر ہندوستان پر، یہ اور اسی طرح کے اور تاریخی مضامین ہیں جو محنت اور کادش سے لکھے گئے ہیں، قیمت ص ۱۰ سالانہ،

کلید امتحان: اس میں پرچہ جات امتحان ٹل مالک محروسہ حیدر آباد کے سوالات اور جوابات قرینہ کے ساتھ جمع کر دیئے گئے ہیں جس سے طلبہ کو امتحان کی تیاری میں مدد مل سکتی اور جواب لکھنے کا ڈھنگ آسکتا ہے، مولوی ابوالرشید محمد عبداللہ صاحب دکیل کی یہ محنت قابل داد ہے، قیمت ص ۱۰ حیدر آبادی، مولف سے ٹانڈیٹر دکن کے پتہ سے ملے گی،

فینی شاعر شیخ محمد علی صاحب میراجی اجیری کی قومی اور ملی نظموں کا مجموعہ ہے جس میں صاحب نے اکبر جرم کا نظریہ کلام کے تتبع کی کوشش کی ہے لیکن بڑی کمی یہ ہے کہ اس میں اصل نقل کا فرق معلوم ہوتا ہے، نظمیں مختلف قومی دلی سمالات پر لکھی گئی ہیں اور بعض دوسری جہتوں سے کیس قدر دلچسپ ہیں، قیمت ۰.۶ روپے، کابل بک ڈپو حلقہ ۲۶ لاہور،

## مضامین

## شذرات

۱۶۱ - ۱۶۲

۱۸۹ - ۱۶۲

سید سلیمان ندوی

خلافت عثمانیہ اور دنیاوی اسلام

۲۰۳ - ۱۹۰

مولانا عبد السلام ندوی

طلاق عیسائی مذہب میں

۲۱۳ - ۲۰۲

مولوی محفوظ الحق صاحب بی ۱۱

اورینٹل کانفرنس

۲۱۹ - ۲۱۴

یونیورسٹیوں کی کانگریس

۲۲۲ - ۲۲۰

سلطنت مغلیہ اور ایک ہندو مورخ

۲۲۴ - ۲۲۳

کتبات پیکولی کی تاریخی ولسانی اہمیت

۲۳۲ - ۲۲۵

اخبار علیہ

۲۳۵ - ۲۳۳

آثار علیہ ادبیہ

۲۳۷ - ۲۳۶

جناب جوش، مولانا حمید الدین صاحب

ادبیات

۲۴۰ - ۲۳۸

مطبوعات جدیدہ

## خلافت و ہندوستان

## از سید سلیمان ندوی

سارف کا وہ تاریخی سلسلہ مضمون جس میں ہندوستان اور خلافت راشدہ، امویہ، عباسیہ اور عثمانیہ عہد خلافت کے ساتھ مذہبی روابط و تعلقات دکھائے گئے ہیں اور مورخین کے بیانات، سکون کے نقوش، عمارتوں کے کتبات، شاہان تہجد کے مراسلات شہزاد کے دوا دین اور حکومت برطانیہ کی سرکاری تحریروں سے یہ دکھایا گیا ہے کہ سلاطین ہند اور خلفائے اسلام میں ہمہ گیر تعلقات تھے اور یہ تعلقات کس قدر عمیق اور مذہبی جذبات پر مبنی تھے، لکھائی چھپائی کا غذائی، ۹۰ صفحہ، قیمت ۰.۸ روپے، لاہور،



علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے شاہزادہ ولیعہد بہادر کے درود کے موقع پر آئری کی ڈگریوں کی جس فیاضانہ تقسیم کا اعلان فرمایا تھا، اس کا ذکر معارف کے جنوری نمبر میں آچکا ہے، کس قدر حسرت دیاس کا مقام ہے کہ دنیا کی دوسری تینوں کی طرح یہ تنہا بھی پوری ہو چکی، نہ شاہزادہ صاحب نے قدم رنجہ فرمایا، نہ اکابر قوم کو حضور کی قابل رشک سعادت حاصل ہو سکی، اور نہ آئری ڈگریوں کی فیاضانہ تقسیم ہو سکی، جو دنیا کی تاریخ میں یادگار رہ جاتی، اسے بسا آرزو کہ خاک شدہ - ہم بزرگانِ ملت کی خدمت میں اپنی دلی ہمدردی و تعزیت کا تحفہ بہ صد ادب پیش کرتے ہیں، لیکن معلوم ہوا کہ مسلم یونیورسٹی کے درباب حل و عقد، غالب کے فلسفہ،

ہمارا بھی تو آخر زور چلتا ہے گریبان پر!

کے پورے راز شناس تھے، "راوی معتبر" کا بیان ہے کہ ٹھیک اسی تاریخ کو جبکہ علی گڑھ یونیورسٹی کورٹ کی یہ دلچسپ مجلس ہونے والی تھی، ان حضرات نے علی گڑھ وکلیٹوں کے درمیان ایک شہور اسلامی ریاست میں ایک دوسری بزم سرور ترتیب دی، اور علی گڑھ کا غم غلط کرنے کے لئے ایک شانہ روز مخموری دس خوشی میں بسر فرمایا!

پروفیسر جان آڈس، اس وقت انگلستان کے ایک ممتاز ماہر فن تعلیم ہیں، اس فن پر ان کی متعدد تصانیف ہیں اور ان کا ہر ارشاد تعلیمی حلقوں میں ایک خاص وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، حال میں آپ نے معلمین و اساتذہ کی ایک کانفرنس کے سامنے بیان فرمایا کہ

"ایک چھ سالہ بالغ مرد کی برکت ایک چار سالہ نابالغ لڑکے میں عقل و فہم بہت زیادہ ہوتی ہے"

اس پر بعض اخبارات و رسائل میں ایک غل جھج گیا ہے، اور پروفیسر بھوسف سے ہر طرف سے دلیل و ثبوت کا مطالبہ ہو رہا ہے، لیکن بہت ممکن ہے کہ پروفیسر صاحب کے پاس اس کا ثبوت صرف ان کا

## مشکلات

پروفیسر آڈورڈ براؤن سے زیادہ بڑا اور نامور مشرق اس وقت کوئی انگلستان میں نہیں پروفیسر بھوسف عام مشرقین کی طرح صرف پیشہ کے طور پر انٹیلیٹ نہیں ہیں بلکہ حقیقت میں انکو مشرق شرقیات اور اسلامی علوم سے عموماً اور ایران سے خصوصاً ایک شغف ہو ایک عشق ہے، انھوں نے نہ صرف علمی حیثیت سے بلکہ اپنے رتبہ سے پہلے ان کو سیاسی حیثیت سے بھی مشرق اور ایران کی گراہنا خدمتیں انجام دی ہیں،

فردی ۱۹۲۲ء میں ان کی زندگی کا ساہتوان سال بخیر و خوبی ختم ہوا، اس ساہتوان سالگرہ کے موقع پر ان کے شاگردوں، مداحوں، اور قدردانوں نے انکو مبارکبادیں بھیجیں اور تہنیت نامے پیش کئے، اسلامک سوسائٹی کیمبرج، فلسطینی عربی مین اور اعیان ایران نے فارسی میں مختصر ایڈریس ان کے سامنے پیش کئے یہ ایڈریس مارچ کے ادائل میں لندن سے ہمارے پاس اس وقت پہنچے، جب رسالہ کے تمام مضامین مرتب دیکھے تھے، تاہم ہم اس ربط و خلوص کی ممنونیت کے لہذا ریکیلے جو بھوسف کو شبلی کا ڈیپٹی کے ساتھ ہے، ان بی اور فارسی ایڈریسوں کے بعینہ چربے انار علیہ ادبیہ کے تحت میں درج کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ ان کی زندگی میں یہ سالگرہ کے مواقع سیکھوں دنہ پیش آئیں۔



ذاتی تجربہ ہو۔ اگر ایسا ہے تو انھوں نے اپنی آپ بیتی، کوکبہ کی صورت قرار دینے میں یقیناً عجلت فرمائی۔

✽

ندن کار و زمانہ ڈیلی میل، اس خبر کا ذمہ دار ہے کہ کوکبہ نامی ایک بڑا قصاص، جو اکثر اپنے چار سالہ بچہ کو سینما (متحرک تصاویر) کا تماشہ دکھانے اپنے ہمراہ لیجا کر تاہتا، ایک روز اپنے بچہ کے ساتھ کھیل رہا تھا کہ دفعۃً اس بچہ نے چہرہ اٹھا کر باپ کے سینہ میں یہ بکھر بھونک دیا کہ تماشہ میں ایسا بڑا زخم پھینچ رہا ہے میں لگا اور اتنا کاری تھا کہ اسپتال پہنچے پہنچے روح مفارقت کر گئی، ہندوستان میں جو اصحاب سینما کے ولد ادہ ہوتے جاتے ہیں، بہتر ہوگا کہ کبھی کبھی اس قسم کی خبریں بھی سن لیا کریں اور ان کے سینما کی یہ کوئی اتفاقی مثال نہیں، اس طرح کے اور اس سے ہلکے جرائم اسکے اثر سے بار بار دہرا ہو چکے ہیں، ہولناک مناظر اور دہشت انگیز تماشوں کو دیکھ کر قوت تخیل کا (اور خصوصاً کم عمر لڑکوں کی) متاثر ہونا لازمی ہے۔

✽

سرنیڈ لبری نے جنوری کے رسالہ نائنٹیٹھ پجری میں ایک مضمون ”مے نوشی و مرض آتشک“ کے عنوان سے تحریر فرمایا ہے، جو اس حقیقت کی ایک تازہ شہادت ہے کہ اہل مغرب کو اپنی عیش پرستیوں کا اپنے حق میں وبال جان ہونا اب خود محسوس ہونے لگا ہے، مرض آتشک کے حدود و اس قدر وسیع ہو گئے ہیں کہ بقول خاتون موصوفہ بریڈ فوڈ، (ضلع یارک شائر) کے شفاخانہ اطفال میں اس سال جتنے بچے داخل ہوئے ہیں، ان میں ہر تین میں ایک بچہ سو روٹی مرض آتشک کا شکار پایا گیا! اور جو مدارس نابینا بچوں کی تعلیم کے لئے ہیں، ان کی پوری ۵۵ فی صدی آبادی کے عدم بصیرت کا باعث ان کے والدین کا مریض آتشک ہونا پایا جاتا ہے، اس طرح کی خانہ بربادی شراب کے انھوں بھی ہو رہی ہے، ہزار ہا خاندانوں کو شراب نے ہمیشہ کے لئے مفلس و فاقہ مست بنا دیا ہے۔

اور ہزار ہا گھرانوں میں جنون، دیوانگی، اور امراض عصبی و دماغی کو پایہء ارباب بنا دیا ہے،

✽

خاتون موصوفہ بعض دردناک تفصیلات داد و درج کرنے کے بعد اسکا علاج یہ تجویز فرماتی ہیں کہ شراب کی فروخت کو قانوناً بہت محدود کر دیا جائے، اور شادی سے قبل زوجین سے اسکا علف لے لیا جائے کہ وہ مرض آتشک سے پاک ہیں، اور اگر کوئی جھوٹا حلف اٹھائے تو اسے سخت سزا دی جائے، ملک سویڈن میں اس قسم کا قانون عرصہ سے جاری ہے، اور بحالت اثبات جرم مجرم کو چھ ماہ قید سخت کی سزا ملتی ہے، ڈنمارک اور جدید سلطنت ترکیہ و یوگیا میں بھی غالباً اس قسم کے قوانین زیر غور ہیں، لیکن یورپ کی بڑی سلطنتیں ابھی اس باب میں خاموش ہیں، خاتون موصوفہ چاہتی ہیں کہ ”دول عظمیٰ“ جلد اس خطہ کی جانب توجہ کریں اور کم از کم برطانیہ تو فوراً امتناعی و تعزیری قوانین نافذ کر دے۔

✽

یورپ کا دماغ اپنی فطری سطح بینی کے لحاظ سے مجبور ہے کہ امراض کے دفعیہ کے لئے محض سلب علامات کو کافی سمجھ لے، لیکن ظاہر ہے کہ کسی مرض کا استیصال ممکن ہی نہیں، تا وقتیکہ اسکے اصلی علل اسباب کو نہ دور کیا جائے، اسلام نے نہایت حکیمانہ دوراندیشی اور انسان کی صحیح فطرت شناسی کے ساتھ امراض زہری کو مستقلاً کوئی اہمیت نہیں دی، بلکہ سرے سے اس شئی کی بیگنی کر دی جو امراض خبیثہ کا باعث و سبب بن سکتی ہے، یعنی ناجائز تعلق زنا شوقی، اور اس غرض کے حصول کیلئے فطرت بشری کی کمزوریوں پر نظر کر کے مرد و زن دونوں کے لئے متعدد سہولتیں ہم پہنچا دیں، مثلاً تعدد ازواج کو جائز کر دیا، طلاق کی اجازت دیدی، شرائط نکاح کو نہایت آسان رکھا، قس علی ہذا۔ ساتھ ہی دوسری طرف زنا کاری کو مصیبت کبیرہ قرار دیکر اسکی سزا اتنی سخت رکھی کہ قانون اسلامی کے نفاذ کی صورت میں شکل ہی سے کسی کو از نکاب جرم کی ہمت پر مل سکتی ہے، ارشاد ہوتا ہے ۱۔



الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا  
مِائَةً جَلْدَةً وَلَا تَأْخُذْ بَعَثَاتُ أَفْئَةٍ  
فِي دِينِ اللَّهِ إِنَّ كُنْتُمْ تَرْضَوْنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ  
الْآخِرِ وَكَيْفَ تَعْلَمُونَ أَنَّكُمْ تَعْلَمُونَ  
المومنين (نور - رکوع ۱)

زنا کا رعبوت و مرد و دونوں میں سے ہر ایک کو سو سو زور سے  
ارو اور اگر اللہ اور روز آخرت کا یقین ہو تو خدا سے  
حکم کی تعمیل میں کسی طرح کا ترس نہ کہنا، اور انکی اس  
تقریر کے وقت چاہیے کہ مسلمانوں کا ایک گروہ (انکی رسوائی و فحش  
کے لئے بھی) موجود رہے۔

آپ آگ کے دھوئیں سے بار بار پریشان ہو رہے ہیں، لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ پیلے لکڑیاں جلی  
تو خود آپ ہی نے سنگا رکھی ہیں، اگر بغیر اس آگ کو بجھائے ہوئے آپ دھوئیں کو بند کر دینا چاہتے ہیں  
تو آپ کا دماغ قطعاً اس قابل ہے کہ اس کے ساتھ ہمدردی کیجائے۔



انگلستان میں ازدواجی زندگی کی سریتین اس قدر عقاب ہو گئی ہیں کہ اگر اتفاق سے کسی کو یہ نعمت  
میسر ہو جاتی ہے تو ہزار ہا قلوب جذبہ رشک سے معمور ہو جاتے ہیں، چند روز ہوئے لندن میں ایک  
صاحب اسٹریٹ گلیزیر نے وفات پائی، اور اپنے وصیت نامہ میں اپنی رفیق زندگی کے متعلق لکھا کہ وہ کا لفظ  
ثابت ہوئیں، اور ان کے کسی قول یا فعل سے مجھے تمام عمر تکلیف نہیں پہنچی۔ اس وصیت نامہ کا شائع  
ہونا تھا کہ بیوہ سز گلیزیر کے نام بیشمار خطوط تہنیت موصول ہونے لگے، چنانچہ صرف ایک ہفتہ میں ۱۴۳  
خطوط آئے! ان میں سے صد ہا خطوط خواستگار ان ازدواج کے تھے جنہوں نے اپنے اپنے فوٹو بھیج کر  
اس بیوہ خاتون کو پیام نکاح دیا، یہ ہے اس نظام تمدن کی برکت جس کے پرستاروں کے نزدیک اسلامی  
سائل طلاق و نکاح اور شرعی عفت و شوہر پرستی، دور تاریکی و جہالت کی یادگار ہیں۔



صوبہ متحدہ کی قانونی کونسل کے پہلے اجلاس میں ایک ہندو ممبر صاحب کی جانب سے

تجویز پیش ہوئی کہ صوبہ میں ایک کالج ایسا قائم کیا جائے جس میں علوم و فنون کی تعلیم انٹرمیڈیٹ اور  
اعلیٰ نصاب کی صوبہ کی زبان میں دی جائے، اور رفتہ رفتہ اس کالج کو اسحاقی یونیورسٹی کے مرتبہ تک  
پہنچایا جائے، گورنمنٹ کی جانب سے اس تجویز کی سرگرم مخالفت ہوئی، صیغہ تعلیمات کے وزیر،  
سکرٹری، ڈائریکٹر، ان سب صاحبوں نے مخالفانہ تقریریں کیں، جنہیں دلائل کی قوت سے الفاظ کا  
جوش زاید تھا، دوران بحث میں ایک اور ہندو ممبر صاحب نے ترمیم پیش کی کہ تحریک میں بجائے  
کالج کے ہائی اسکول کا لفظ رکھ دیا جائے، اور سرمدت اس کوشش کو اسکوئی تعلیم تک محدود رکھا جائے  
گورنمنٹ نے اسکی بھی مخالفت کی، لیکن کثرت رائے سے بالآخر یہ ترمیم شدہ تحریک منظور ہو گئی، سرکاری  
نظام تعلیم میں اس "بدعت" کے داخل ہو جانے سے وفا کیشان قدیم کو جو صدمہ دلال ہوا ہوگا،  
اسکا اندازہ ہم کر سکتے ہیں،



لیکن سچ یہ ہے کہ جس پارٹی کو اس معرکہ میں فتح ہوئی ہے، اسے بھی اپنی کامیابی پر زیادہ ناز نہ  
ہونے کی وجہ نہیں، اس لئے کہ اول تو تحریک کالج سے متعلق تھی اور منظوری صرف ہائی اسکول کی مل سکی،  
دوسرے یہ کہ دلائل کی قوت، خیر سے کچھ اور بھی بہت زائد نہ تھی، عثمانیہ یونیورسٹی اور سرشتہ تالیف  
و ترجمہ، یہ الفاظ ہر مقرر کی زبان پر تھے، بارہا، ہینن کا حوالہ دیا جاتا تھا، یہاں تک کہ خود گورنمنٹ بھی  
ان سے مرعوب ہو گئی، جیسا کہ وزیر تعلیمات کی تقریر سے ظاہر ہوتا ہے، پس اگر صوبہ متحدہ میں آج  
سرکاری مدارس کی زبان تعلیم، ملکی زبان ہو رہی ہے، اور کل انشا اللہ اسکے اثرات کالج اور  
یونیورسٹی تک پہنچا چاہتے ہیں تو اسکی داد کی مستحق ایک بڑی حد تک دکن کی عثمانیہ یونیورسٹی ہی ہے  
جسکی شاعر فیض نے سرکار انگریزی کے علاقوں کو بھی ستور کرنا شروع کر دیا ہے، دنیا کے ہر نیک و بد  
فعل کا یہی حال ہے کہ اسکا اثر تقیاست تک پہنچتا رہتا ہے، اور اسکے فاعل اول کے نامہ اعمال کو



سفید یا سیاہ کرتا رہتا ہے، انہیں مواقع کے لئے کہا گیا ہے،

نیکو ان رفتند و سنتا بماند وزلیان ظلم و لعنتھا بماند

رگ رگ ستاین آب شیرین آب شور در غلائق می رود تا نفع صور

نیکو ان بہت میراث از خوشاب انچہ میراث مست اور ثنا الکتاب

— — — — —

اتیک حکمران طبقہ کا یہ خیال تھا کہ ملکی زبانوں میں اسکی صلاحیت ہی نہیں کہ تعلیم علوم و فنون کا آلہ بن سکیں، چنانچہ اگر آج سے کچھ پیشتر کونسل میں یہ مسئلہ چھڑا ہوتا تو یقیناً یہی جواب ملا ہوتا، ایسکے احمد اللہ کہ اس موقع پر گورنمنٹ کی جانب سے یہ کہنے کی جرأت کسی کو نہیں ہوتی، گورنمنٹ کی جانب سے تجویز کی مخالفت میں جو دلائل پیش کئے گئے، تھی مجتہد تون میں سے کوئی بھی نہ تھی، تاہم بعض ایسے جو اصل موضوع سے بالکل غیر متعلق تھے، مثلاً صیغہ تعلیمات کے سکریٹری صاحب کا یہ فرمانا کہ ہندو بھرت کے تعلیم یافتہ گروہوں میں رشتہ اتحاد پیدا کرنے والی انگریزی زبان ہے، یا یہ کہ سلطنت برطانوی کے دوسرے حصوں کی جن سے ہندوستان کو ہر وقت سابقہ رکھنا ہے، زبان انگریزی ہے یہ دلائل اسوقت البتہ کچھ قوت رکھ سکتے تھے، جب انگریزی زبان کو شاہرہ ملکی زبان میں تعلیم دینے کا مطالبہ ہوتا، حالانکہ اسوقت خواہش عرف اتنی ہے کہ انگریزی کے پہلو پہ پہلو ملکی زبانوں میں بھی تعلیم ہوتی رہے، اور بعض دلائل ایسے تھے جو سرتاسر ناواقفیت یا غلط فہمی پر مبنی تھے، مثلاً یہ کہنا کہ اردو اور ہندی ان دونوں میں سے کون سی ملکی زبان قرار دی جائے، دہلی سے کوئی ایک جو بھی رکھی جائیگی دوسری زبان اسکی سخت مخالفت کریگا اور ایک ہنگامہ فساد گرم ہو جائیگا۔

— — — — —

گورنمنٹ اور بعض برادران وطن کی یہ اصولی غلطی مدت سے چلی آ رہی ہے کہ وہ صوبہ کی دو زبانیں

ایک دوسرے سے مختلف قرار دیتے ہیں، مشترک زبان صرف ایک ہے جسے ہندوستانی سے سوہم کر سکتے ہیں، اسکی بے سود شاخیں اور صورتیں ہیں، ہر ضلع کی بولی دوسرے ضلع سے مختلف ہے، ہر طبقہ کی زبان دوسرے طبقہ کی زبان سے متماثل ہے، دہلیائیوں کی زبان شہریوں سے شہریوں کی زبان عوام سے، پڑھے لکھوں کی زبان ان پڑھوں سے، عالموں کی زبان غیر عالموں سے، دکانداروں اور ہاتھوں کی زبان شاعروں اور ادیبوں سے، ایشیا متنازع ہے، لیکن کیا کوئی منصف مزاج شخص ان امتیازات کو مستقل مختلف زبانیں قرار دیکتا ہے؟ چاسر کی انگریزی شکسپیر کی زبان سے اور شکسپیر کی زبان کو موجودہ انگریزی سے کیا نسبت ہے؟ بائین ہمہ ایک عام اصطلاح انگریزی کا اطلاق سب پر ہوتا ہے، قرآن پاک کی زبان سے موجودہ عربی میں آسمان و زمین کا فرق ہو گیا ہے، تاہم عربی وہ بھی تھی اور عربی یہ بھی ہے، سعدی و حافظ کی پاکیزہ زبان کو ایران کی موجودہ بد مذاتی نے غارت کر رکھا ہے، سپر بھی یہ کون کہہ سکتا ہے کہ وہ فارسی تھی اور یہ کوئی جدید زبان ہے؟

— — — — —

انگلستان میں سنجیدہ تحریروں کی زبان اور ہے، رد مزہ اور ہے، پھر مختلف اضلاع کی بولیاں بھی بسا اوقات ضلع کے باہر ناقابل فہم ہو جاتی ہیں، تاہم ہر شخص ان سب بولیوں کو زبان انگریزی ہی کی مختلف صورتیں سمجھتا ہے اسروالٹر اہیرن نے جو مع اپنی بیٹی کے تیس سال سے انگلستان سے باہر مختلف قنصل خانوں میں تھے، حال میں جب لندن کو مراجعت کی، تو انھوں نے اور انکی بیٹی صاحبہ دونوں نے ایک اسکول میں تقسیم انعام کے بھرے جلسہ میں بیان کیا کہ اتنے معصہ میں بیان کی زبان بالکل بدل گئی ہے، ہم لوگوں کو بازار میں بات چیت کرنے اور ٹیلیفون پر گفتگو کرنے میں سخت وقت ہوتی ہے، زبان کا یہ بگاڑ نتیجہ ہے غیر ذہنوں سے زیادہ اختلاط کا۔ کیا اس بنا پر یہ کہنا درست ہوگا کہ اب انگلستان میں انگریزی کے بجائے کوئی جدید زبان رائج ہو گئی ہے؟ مشہور فارسی رسالہ کا وہ



لکھتا ہے کہ جس مفہوم کو صحیح و سلیس فارسی میں یوں ادا کیا جاسکتا ہے کہ  
 "دین عبارت براسے بیان ادضارع حالیہ و اتفاقاتی کہ رخ دادہ و میدہا، افی نیست"  
 اسی کو آج کے ایرانی اخبارات عموماً یوں لکھتے ہیں :-  
 "دین فراز براسے افادہ و ضعییات کو ران سیاست روزمرہ کہ عرض اندام کردہ بہمیت  
 نامحدود سے را در بردار د"  
 کیا اس نامفہوم عبارت کو کلمتہ فارسی کی قلم و سے خارج کر دینا جائز ہوگا؟

غرض صلاً و مستقلاً تو صوبہ کی زبان صرف ایک ہے، البتہ امتداد زمانہ نے انکی دو خاص  
 شکلیں یا شاخیں پیدا کر دی ہیں، ایک تو وہ ہے جو خارجی اثرات سے تقریباً غیر متاثر رہی اور دوسری  
 ایک بڑی حد تک اپنی قدیم خالص دبے آمیز حالت میں ہے، اس نے اگر خارجی اثر کچھ قبول کیے ہیں  
 تو سنسکرت کا۔ اس شاخ کو عرف عام میں ہندی سے موسوم کرتے ہیں، دوسری شاخ وہ ہے جو  
 سنسکرت، عربی، فارسی، یونانی، ترکی، انگریزی اثرات سے دل بہول کر شیر و شکر ہوئی اور تمام  
 بیرونی اثرات کو آزادی دبے تکلفی سے قبول کیا، اسکا نام اردو پڑ گیا، اردو کی موجودہ ترکیب میں  
 چونکہ متعدد مختلف زبانوں کے عناصر شامل ہیں، اور ہر زبان کسی نہ کسی خاص تمدن کی مظہر و ترجمان  
 ہوتی ہے، اسلئے قدرۃ اردو بمقابلہ اپنے حریف کے زیادہ متمدن، ارفع، اور اداسے خیالات و مطالب  
 کی زیادہ صلاحیت رکھتی ہے تاہم اگر کسی شخص یا جماعت کو ہندی ہی کے ذریعہ سے تحصیل علم میں  
 زیادہ سہولت نظر آتی ہے تو وہ بلا تکلف ہندی اختیار کر سکتا ہے، کسی صوبہ میں دو زبانوں کا ہونا انکی  
 متحدہ قومیت کے بالکل منافی نہیں، معارف کے کسی پچھلے نمبر میں دکھایا جا چکا ہے کہ سوئڈین میں  
 ملکی کارروایاں ایک ہی وقت میں دو بلکہ تین زبانوں میں ہوتی ہیں،

ناظرین معارف اس خبر کو دلچسپی کے ساتھ سین گئے کہ ایم، ہندی جن مرحوم (نادی اقتصادی)  
 کے خطوط و ان کے مختلف احباب کے نام میں کیا کر کے شائع کئے جا رہے ہیں، مرحوم ایک خاص  
 رنگ انشا کے مالک تھے، ان کے مکاتیب بید و بچسپ ہوتے تھے، ان کا مجموعہ اردو میں اپنی  
 نوعیت کی ایک نئی چیز ہوگا، جن اصحاب کے پاس ان کے کچھ خطوط ہوں وہ انکی نقل یا اصل  
 براہ کرم اس پتہ پر جلد ارسال فرمائیں :- سیدنا ظرا حسن پوٹش بلگرامی، انسر نمکہ آڈٹ، بازار ملا ظریف  
 راسپور انٹیٹ،  
 دارالصحیفین کی مجلس کارکن نے اپنے سالانہ اجلاس منعقدہ ماہ فروری میں ہندی مرحوم کی  
 تعزیت کی تجویز منظور کی، انکے لئے دعا سے مغفرت کی، اور انکی جگہ پر مجلس انتظامیہ کی رکنیت پر  
 ڈاکٹر سید محمود بی، ایچ ڈی (بانکی پور) کو منتخب کیا،

ہم نے گذشتہ نمبر میں ناظرین سے معارف کے کچھ حقوق و فرائض کا مطالبہ کیا تھا ہم شکور میں کہ  
 ہمارے دوستوں نے ادھر توجہ کی، اور قدردانوں کی ایک معقول تعداد کا اہنوں نے اضافہ کیا، ایسکن  
 ابھی ہکو اپنے سیکرٹریوں دوسرے احباب کو ان کا فرض یاد دلانا ہے، ہندوستان کے علمی سائل  
 کی ہندی کے آپ متمنی ہیں مگر آپ اگر قدر فرض انجام نہیں دیکھتے جس قدر یورپ کے قدروان انجام  
 دیتے ہیں، تو کم از کم ہندوستان کو صر سے کمتر تو ہونا چاہیے، جہاں شاید ہی کسی رسالہ کی قیمت  
 ایک پونڈ (پندرہ روپیہ) سے کم ہے، تاہم ہر ایک کی خریداری کا نمبر ہزاروں سے زیادہ ہے اور  
 خود ہندوستان میں انگریزی، گجراتی، مرہٹی، بنگالی اور ہندی کا بھی یہی حال ہے۔



# مقالہ

## خلافت عثمانیہ

اور

## دنیاوی اسلام

(۴)

اسلامی ملکوں اور قوموں کے لئے دشمن یورپ نے تیسری کین گاہ بحر اسود (بلیک سی) اور بحر قزوین (کیسپین سی) کے کناروں پر تیار کی تھی، یہ دشمن روس تنا جو یورپ میں قازان اور کریم اور کریمیا کو چیرتا ہوا بحر اسود اور مارمرہ کی راہ سے بحر تیرط (میڈیٹیرینین) میں گھسنا چاہتا تھا۔ یہاں سے وہ ارض مقدس تک اپنی فوجوں کو پہنچا سکے، اور ایشیائے وسطیٰ میں تاتاری اور ترکمانی ریاستوں کو زیر و زبر کر کے وہ ایران و افغانستان کے قلب میں چلا آنا چاہتا تھا،

اسوقت دشت قفقاز و تاتارستان میں حکو اب یورپین روس کہتے ہیں، بلغار، قازان، اسٹیریا، استراخان، یا حاجی طرخان، اوکریں اور کریمیا کی اسلامی ریاستیں باقی تھیں، اور ترکستان و توران کی مردم خیز اسلامی سلطنتیں کا شغز، بخارا، ذغانہ، خوارزم، داغستان، آذربائیجان، جرجستان، ارمنستان وغیرہ میں منقسم ہو کر کمرے ہو گئی تھیں،

اندلس کے بعد سرزمین یورپ میں دوسری سب سے پہلی اسلامی سلطنت بلغار تھی، اسکو موجودہ بلغاریہ (بلغیریا) نہ سمجھئے جو ہنر و نیوب کے پاس اب بلقان کی ایک ریاست ہے، بلکہ یہ یورپین روس میں کوہ اورال اور ہنر والگا کے درمیان تھی، اور کسی زمانہ میں اسکی وسعت پورے یورپین روس کو محیط تھی

اسکے شرق میں کوہستان اورال اور ہنر جاتی تھی، جب کو اب دریا سے اورال کہتے ہیں، اور مغرب میں ہنر افاد اور دریای والگا کا سنگم تھا، اور جنوب میں سراطا اور ہنر اوطا مہوف کے صوبے تھے، اور شمال میں بحر ہند (Black Sea) تھا جسکے بعد سیڈن دریا خلیل واقع ہے، بلغار کے بادشاہ نے خود بخود اپنی فطری ہدایت سے اسلام قبول کیا، اسوقت بغداد کے تخت پر خلیفہ مقتدر باللہ سند آ رہا تھا، شاہ بلغار نے خلیفہ کے پاس اپنے قاصد بھیجے، اور اپنے اسلام کا اعلان کیا، اور دارالخلافہ سے علماء اور اہل علم و ہنر کی ایک جماعت طلب کی، چنانچہ خلیفہ نے ایک علم دوار اور چند علماء اور اہل صنعت کو بلغار بھیجا، اس وفد میں احمد بن فضلان ایک اہل قلم تھا اس نے اپنا پورا سفر نامہ لکھا تھا، جسکے کچھ اجزاء اب بھی ملتے ہیں اور نہایت دلچسپ ہیں، یہ وفد ۳۷۵ھ میں بغداد سے روانہ ہوا، شاہ بلغار کے سلمان ہونے سے دربار کے تمام اکابر اور اکثر رعایا بھی سلمان ہو گئی، اسوقت سے لیکر ۷۷۵ھ تک کسی نہ کسی صورت میں اس سلطنت کا نام و نشان ملتا ہے، اسکے بعد روسیوں کا دل بادل جب اٹھا، تو پوری سلطنت کو ہالے کیا، شہر بلغار جو اس مملکت کا پایہ تخت تھا اس سرزمین میں تمدن اسلام کا زیارت گاہ اور مقبرہ ہے،

یہ پہلی تاتاری یا تورانی اسلامی سلطنت تھی جو وحشی روسیوں کے ہاتھ سے ۷۷۵ھ مطابق ۳۷۳ھ میں برباد ہوئی۔ یہ خلافت عثمانیہ سے ۸۷ برس پیشتر کا واقعہ ہے، اسکے بعد ان اطراف کی دوسری اسلامی ریاستوں کی باری آئی، اور آہستہ آہستہ روس نے تمام دشت قفقاز، تاتارستان، ترکستان اور توران وغیرہ پر قبضہ کر لیا، اسوقت مسلمانوں کی متعدد اسلامی سلطنتیں دنیا میں موجود تھیں، مگر کس نے ان حملہ آور روسیوں کے سامنے اپنا سینہ سپر کیا، یہ صرف ٹرکی تھی جس نے ۷۷۵ھ سے لیکر ۱۹۱۸ھ تک پورے چار سو صدیاں اسطرح لبرکین کہ روس کی طرف سے ایک دن کے لئے اسکی آنکھ نہ چپکی، اور اسکے لئے اس اسلامی قوم اور سلطنت کے حالات سے عام مسلمان بہت کم واقف ہیں، اور یہ گویا تاریخ اسلام کا ایک کہوا ہوا صفحہ ہے، عنقریب اسکے حالات سحارف کے ذریعہ سے آپکے سامنے ہونگے،



سپاہیوں نے بحر اسود اور بحیرہ قزوین کے سواحل پر ایک رات بھی استراحت کی نیند سو کر نہ کاٹی۔

حدیث صحیح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ بارگاہِ امیری امت کو دشمنوں سے نہ ہلاک کرے۔ یہ دعا قبول ہوئی اور حکم ہوا کہ انکی تباہی خود اسی کے ہاتھوں سے اور باہمی خانہ جنگیوں سے ہوگی۔ ہندوستان ہو کہ اسپین، ایران ہو کہ توران، روم ہو کہ عرب، ہر ملک کی اسلامی تاریخ انہیں کر دیکھو تو معلوم ہوگا کہ حرف یہ پیشینگی پوری ہوئی اور پوری ہے، روس ایک معمولی وحشی قبیلہ تھا جو ایک خاص مقام پر رہتا تھا، مذہباً عیسائی تھا، دوسو برس تک اس قبیلہ کے بڑے بڑے سرکشوں اور گردن فرازون نے استراخان خانوں کے سامنے سجدہ کے لئے سر جھکائے، مگر جب بدبختی کا زمانہ آیا تا تاری خان اور امرا و شاہزادے باہم لڑنے بھڑنے لگے، اور ایک نے دوسرے کے مقابلہ میں روس کی وحشی طاقت کی اعانت حاصل کی روس جب ایک خان پر حملہ کرتا تو اسکا رقیب خان اس کے ساتھ مل کر اپنی تباہی کا آپ سامان کرتا، نتیجہ یہ ہوا کہ یکے با دیگرے سب نے اپنی آزادی روسیوں کے ہاتھ فروخت کر ڈالی،

اسوقت ان اطراف میں سلماؤن کی تین حکومتیں تھیں، کریمیا، استراخان، اور نوغائی، کریمیا میں دولت کرامی خان، استراخان میں میٹورچی خان، اور نوغائی پر مرزا یوسف حکمران تھے، مگر ان میں سے ایک کا دوسرے سے میل نہ تھا،

ان میں سے کریمیا سب سے زیادہ طاقتور اور مضبوط تھا، اور اسکا تعلق بھی ترکوں سے پرانا تھا، کریمیا کا ایک مشہور بندرگاہ جسکا نام کانٹا تھا وہ جزائری جمہوریہ کے ماتحت تھا، معلوم ہو چکا ہے کہ جنوا اور دولت عثمانیہ سے سلسلہ جنگ برابر جاری تھا، کریمیا کے براہ راست تعلق کا سب سے پہلا واقعہ یہ ہے کہ ۱۳۷۵ء میں عثمانیوں نے کانٹا پر حملہ کیا اور کریمیا کے سواحل کو اپنے قبضہ میں کر لیا، اس کے بعد کریمیا کے خان سلاطین عثمانیہ کے زیر اقتدار آگئے گو باقاعدہ ان کے ماتحت نہ تھے،

شاید روسیوں کو ترکوں کا یہ احسان یاد نہ ہو کہ کریمیا کے خان ہمیشہ روسی قبیلہ پر حملے کیا کرتے تھے

اس اقتدار کے بعد روسیوں نے سلطان سلیم فاتح مصر (۱۵۱۷ء - ۱۵۶۶ء) کے پاس اپنا ایک سفیر بھیجا، اور درخواست کی کہ خانیں کریمیا کو اشارہ ہو کہ وہ آئندہ روسی حملہ کر میں، چنانچہ سلطان نے انکی اس التجا کو پذیر کیا، اور محمد کرامی خان دانی کریمیا کو ہدایت کی کہ روس سے تعرض نہ کرے، سلطان سلیم کی وفات (۱۵۶۶ء) کے بعد خان نے پھر اپنے حملے روس پر شروع کر دیئے، روس نے سلطان سلیمان کے دربار میں پھر اپنے سفیر بھیجے، اور درخواست کی کہ خان کو منع کر دیا جائے کہ وہ ان کا رویوں سے باز رہے، سلطان نے انکی یہ درخواست پھر قبول کی، خان نے یہ دیکھ کر کہ سلطان کو روسیوں کے ارادے اور ان اطراف کے اسلامی ممالک میں جو کچھ اس سے خطرے ہیں ان سے واقفیت نہیں ہے، اس بنا پر اس نے ایک سفیر بھیج کر سلطان کو تمام معاملات سے آگاہ کیا، لیکن ایک روسی سلمان تو بخ لکھتا ہے کہ روس نے دربار سلطانی کے مشیروں کو بہت سی رشوتیں دیں جنہوں نے خان کی تحریر کی تصدیق نہیں کی اور اسلئے یہ سفیر ناکام واپس آیا۔

لیکن سلطان سلیمان سے اصل حقیقت کچھ زیادہ دنوں تک مخفی نہیں رہی، روس کی اسلامی سلطنتیں، سلطان سلیمان کی کسی حیثیت سے ماتحت نہ تھیں، جو تعلق تھا وہ صرف ایک ہتھاکہ وہ اسکو خادم الحرمین اور حامی دین حسین جانتی تھیں، اسلئے وہ انکی معنوی اطاعت اپنا فرض سمجھتی تھیں، استراخان کریمیا اور نوغائی کے درمیان میں تھا اسلئے وہ اپنے ان دونوں رقبیوں سے خوفزدہ رہتا تھا، اس بنا پر اس نے چاہا کہ ان دونوں کے خلاف روس سے ساز باز کرے اور روس سے اطاعت کا معاہدہ کرے، یہ سب ہو رہا تھا کہ سلطان سلیمان اعظم کو ان واقعات کی اطلاع پہنچی، اس نے خان استراخان کو ایک فرمان بھیج کر اس سے باز رکھا، اور اسی کے ساتھ دولت کرامی خان کریمیا اور مرزا یوسف نوغائی کو باہم

ملہ با تفصیل بالا تلیق الاخبار جلد ۲ صفحہ ۸۶ و ۸۷ میں ہے، تلیق الاخبار قریباً قاتر ان والبلغار جلد ثانی صفحہ ۸۷ و ۸۸ میں ہے،



الفت و محبت اور اعانت و معاونت کی تاکید کے خطوط لکھے، اسکا یہ اثر ہوا کہ ان تینوں نے مل کر درویش  
مقابلہ کا ارادہ کیا، اور روسی غیر کو استراخان میں قید کر دیا، روس کو یہ بہانہ حملہ کے لئے کافی ہوا،  
بدبختی سے اس وقت ایوان روس میں ایک نوغانی سردار مرزا اسماعیل موجود تھا، اس نے شاہ روس کو  
اس حملہ کے لئے اور زیادہ آمادہ کر دیا، اور اسکو یہ بتایا کہ استراخان کا اصلی دارت درویش خان ہے  
شہر یہ ہے کہ مرزا اسماعیل خود روسی فوج کو لیکر آیا، استراخان کا پایہ تخت سراسے اس وقت باطل  
خالی تھا خود خان دوسری جگہ تھا، روسیوں نے نہایت بیدردی سے استراخانیوں کو تیرہ تیغ کیا، اور  
پایہ تخت پر قبضہ کر کے معاہدہ اطاعت اور اسے خراج کے وعدہ کے ساتھ درویش خان کو تخت نشین کیا،  
مقتورچی خان اپنے چند مصاحبین کے ساتھ ملک سے نکل گیا،

درویش خان نے تخت نشین ہو کر خان کریمیا سے روابط بڑھا کر اتحاد پیدا کیا، بلکہ اپنے بعد خان  
کریمیا ہی کے لڑکے کو اپنا ولیعہد بنایا، روسی اس اتحاد کے دشمن تھے، چنانچہ ۹۲۵ھ مطابق ۱۵۱۸ء  
میں درویش خان پر حملہ کر کے استراخان پر قبضہ کر لیا، اور شہر سراسے کو جو ان اطراف میں اسلامی تمدن کا مرکز  
اور بڑے بڑے علما کا مولد و مدفن تھا، بے نام و نشان کر دیا، مسلمان قتل ہوئے، شہر ویران کئے گئے  
عمار تین ڈھائی گئیں اور سب جین کینہہ بنائی گئیں،

سلطان سلیم ثانی جو ۹۲۵ھ مطابق ۱۵۱۸ء میں تخت نشین ہوا تھا، اس نے یہ دیکھ کر استراخان  
کی داپسی کا سامان کیا، اس نے فوج بھیجی، اور اطراف کے مسلمانوں کو جمع کیا، جنھوں نے اسکا محاصرہ کیا  
اور چونکہ محاذ جنگ مرکز سلطنت سے دور تھا اسلئے خان کریمیا کو لکھا کہ وہ اپنی کمک روانہ کرے، خان نے  
یا تو اسلئے کہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ استراخان کا دشمن مردہ ہو کر پھر زندہ ہو جائے، یا وہ اس سے ڈرا کہ سلطان  
اثر بیان نہ بڑھ جائے کہ وہ ماتحت ہو کر رہ جائے، بہر حال اسکی اصلی نیت جو کچھ ہو، اس نے اپنے مولوں  
یہ فتویٰ دلایا کہ استراخان چونکہ ایسے منطقہ میں ہے جہاں گرمی میں رات صرف چار گھنٹوں کی ہوتی ہے

موز کے دو گھنٹہ بعد اٹھ کر عشا کی نماز پڑھنا ہوگی، اور پھر ابھی سونے بھی نہ پائیں گے کہ دو گھنٹے کے بعد  
پھر صبح کی نماز کی تیاری کرنا پڑگی، جو نہایت مشکل اور صحت کے لئے مضر ہے، اور اگر آرام و صحت کا  
خیال کریں تو خدا کے سامنے ترک صلوٰۃ کے مجرم ہونگے، اسلئے ایسے ملک میں مسلمانوں کا رہنا جائز نہیں  
اس فتویٰ کا اثر یہ ہوا کہ کریمیا کے مسلمانوں کی طرف سے سلطانی فوج کو متوقع مدد نہ مل سکی، علاوہ انہیں  
سردی، برفباری اور رسد کے ختم ہوجانے سے تمام فوج بیدل ہو گئی، اور روسیوں نے نہایت آسانی  
سے اسکو شکست دیدی،  
یہ تاریخ میں ترکی روس کی طویل سلسلہ جنگ کی پہلی کڑی ہے جو کو ترکی نے ایک سر ملی اسلامی سلطنت کے غلط رویوں  
استراخان کے بعد قازان کی باری آئی، قازان کے مسلمانوں نے درحقیقت توقع سے بہت  
زیادہ مقابلہ کیا، روسیوں کو کئی دفعہ کامل شکستیں دیں، ایک دفعہ تو پاسے تخت کی دیوار دن کے بیچے  
انگو داہیں کیا، ۹۳۱ھ مطابق ۱۵۲۳ء میں قازانیوں نے اس سے بہتر کوئی تدبیر نہ دیکھی کہ وہ سلطان  
سلیمان کو ان حالات سے اطلاع دیں، انھوں نے مراسلہ بھیجا کہ ہم مسلمان ہیں، اور آپ مسلمانوں کے  
بادشاہ ہیں، ہکو آپ اپنی حمایت میں لے لیجئے، سلطان سلیمان نے انکو اپنی حمایت میں لے لیا اور اپنے  
سفیر متین ماسکو کے ذریعہ سے ایوان کو لکھ بھیجا کہ قازان کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے، کہتے ہیں کہ ایوان نے  
سفیر کو رشوت دیکر سلطان کو یہ جواب لکھ بھیجا کہ قازان ایک مدت سے روس کی حکومت میں  
داخل ہو چکا ہے، اور اب خوانین قازان کا وہاں کوئی اثر نہیں، اور اسی کے ساتھ روس نے فوراً  
قازان پر حملہ کر دیا، قازان کے بہت سے امراء روس کے ساتھ جا کر مل گئے تھے، ان میں ایک شہر امیر  
شیخ علی قازانی تھا، یہ روسی فوج کا سرسکر بنا اور انکو قازان کے قلعہ کے بیچے لاکر کھڑا کر دیا، اصحاب  
کرامی خان جو اس وقت ۹۳۱ھ مطابق ۱۵۲۳ء قازان میں خان تھا، اس نے بہت ہار دی اور یہ ہار  
۹۳۱ھ مطابق ۱۵۲۳ء قازان کے بادشاہ کا لقب تھا، ۳۶ھ قیصر روس کے بادشاہ کا لقب تھا، ۹۱ھ



دو قازان کے قلعہ سے نکل گیا کہ میں سلطان کے پاس جاتا ہوں اور دیان سے فوج لاکر روسیوں کو سرکولی کرتا ہوں، قازانینوں نے اسکی جگہ پر صفائی کرای خان کو اپنا بادشاہ بنایا اور قلعہ بند ہو کر اس زور و شور سے لڑے کہ دشمنوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔

روس نے اسکے بعد دوبارہ اور سہ بارہ حملہ کیا اور ادھر کھاکے پادشاؤں کو جو سلطان سلیمان کی طرف سے عاکم تھے انکو برابر رشتہ دینے کی اطلاع نہ پہنچنے پائے، اسپر بدقسمت ہو کر ۱۵۵۴ء مطابق ۹۵۹ھ میں قازان کے بادشاہ صفائی کرای خان نے انتقال کیا، اور ایک بیوہ سیون بگم اور ایک دوبرس کا بچہ اودہ میش کرای خان اپنے پیچھے چھوڑا، لوگوں نے اسی چھوٹے بچہ کو تخت پر بٹھایا، اور کریمیا کے خان صاحب کرای خان کو خط لکھا کہ وہ اپنے لڑکے پولک کرای سلطان کو بیان کی خانی کے لئے بھیج دے، بدقسمتی پر بدقسمتی یہ کہ خان اپنے لڑکے سے خوش نہ تھا اسلئے خط کو سلطان سلیمان کے پاس بھیج دیا، کہ سلطان قسطنطینہ سے دولت کرای سلطان کو قازان بھیج دے، دربار میں صاحب کرای خان کے مخالفین کا بڑا گروہ تھا، اس نے سلطان کے ذہن نشین کیا کہ اس میں صاحب کرای کی کوئی چال ہے سلطان نے اسکو باور کیا اور صاحب کرای کو معزول کر کے دولت کرای کو کریمیا کا خان بنا کر بھیجا۔

دولت کرای نے کریمیا پہنچ کر روس کو دیکھی کہ خبردار قازان کی طرف نہ بڑھنا، اور سلطان سلیمان نے امراء اور قانون کو خطوط لکھے، اور خصوصاً مرزا یوسف نوغانی کو جو قازان کے کم سن خان کا نانا تھا لکھا کہ تمام امراء روس کے مقابلہ میں متحد ہو جائیں،

یا مہمہ بالاتفاق والاجتماع تحت رایتہ الاسلام، وتخلیص قزان من محلب الروسیۃ

اور انکو حکم دیا کہ اسلام کے جہنم کے پنجے سب جمع ہو جائیں اور قازان کو روس کے پنجے سے بچھڑائیں،

قوزاق جنکو ہم قزاق اور اہل یورپ کا سک کہتے ہیں، یہ روس کے جنوبی علاقہ ڈان اور ڈونیا میں رہتے ہیں، یہ پہلے ایک صحرائین اور آوارہ گرد قبائل تھے، یہ تمانتر مسلمان ہیں، اور اپنا سلسلہ نسب حضرت مالک بن انس سے ملاتے ہیں، مگر واقعہ یہ ہے کہ مختلف تورانی قبائل کا ایک مجموعہ ہے، انکو قزاق کہتے تھے، اور یہ اب ان کا نام پڑ گیا، یہ ہمیشہ سے آزاد رہے اور سلطنتوں کے جکڑ بند کو انھوں نے گوارا نہ کیا مگر اب وہ زمانہ آیا جب یورپ کا اجیار ہو رہا تھا تو ایک طرف سے روس نے اور دوسری طرف سے پولینڈ نے انکو دبا دیا، یہ لڑے مگر شکست کھا کر روس اور پولینڈ میں آدھے آدھے ہو گئے



توزاق نے اپنے نئے مالکوں کے ہاتھوں سے سخت تکلیفیں اٹھائیں، اور بالآخر ۱۸۳۳ء میں سلطان  
۱۸۶۲ء میں انھوں نے اس آستانہ کی طرف رجوع کیا جو صدیوں سے مسلمانوں کا بلجا اور اسلام کا گڑھ  
ہو گیا تھا، محمد فرید بے تاج دولت عثمانیہ میں اس واقعہ کو ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں،

اس زمانہ میں سلطنت عثمانیہ کی دست شمالی اسوجہ سے بہت زیادہ بڑھ گئی کہ وہ تمام قوزاق  
جو روس کے جنوبی حصہ میں رہتے تھے، انھوں نے خلیفہ اعظم محمد چارم کی اطاعت خود بخود اختیار  
کر لی، یہ لڑکر مطیع بنیں بنائے گئے بلکہ خود بخود اپنی خواہش اور ارادہ سے حامی اسلام کے سایہ میں  
رہنا انھوں نے قبول کیا۔

خان قوزاق قسطنطنیہ آیا، اسکو سلطان نے علم و لوا عنایت کیا اور اسکو صوبہ اوکرین کا سختی سے  
مقرر کیا، اور خان کریسا کو فرمان بھیجا کہ دشمنوں کے مقابلہ میں قوزاق کی مدد کیجائے، یہ دیکھ کر پولینڈ  
قسطنطنیہ میں اپنی اعتراضی تحریک بھیجی احمد کوپرلی جو دولت عثمانیہ کے بہترین وزراء میں گزرا، اس نے  
اس تحریک کا جواب حسب ذیل الفاظ میں دیا:-

قوزاق جو آزاد لوگ تھے، انھوں نے اپنے آپکو یون کی ماتحتی میں دیدیا لیکن یہ دیکھ کر کہ وہ  
یون کے ظلم و ستم کو زیادہ برداشت نہیں کر سکتے، انھوں نے ادھر ادھر اپنی جائے پناہ تلاش کی،  
اور اب وہ عثمانی علم کے پیچھے ہیں اور اس کے تابع ہیں، اگر مظلوم ملک کے لوگ رہائی کی تلاش میں  
کسی بڑے شہنشاہ کی مدد کے خواستگار ہوں تو کیا یہ عقلمندی ہوگی کہ ان کے اس بلجا و مادی تک  
ان کا تعاقب کیا جائے؟ جبکہ تمام سلاطین زمانہ سے بڑھکر طاقتور اور باجاہ و جلال سلطان  
آکوں کے دشمنوں سے نہایت دلا رہا ہے اور مظلوموں کی مدد کر رہا ہے، تو ایسی حالت میں  
صغ شکنی کا الزام کس فرق پر عاید ہوگا، اگر مخالفت کی آگ کے بجھانے کی خاطر باہمی سمجھوتہ کی

خواہش کیجائے تو اسکو جاری رہنے دو، اور اگر اختلافات کا حل اس تیز اور فیصلہ کن قاضی کے حوالہ  
کیا جائے جس کا نام تکرار ہے تو اسکا نتیجہ وہ خدا بتا دیگا جس نے آسمان و زمین کو بے ہمارے کھڑا  
کر رکھا ہے، اور جو اسلام کو ایک ہزار سال سے اسکے دشمنوں پر اپنی نصرت سے فتح دیتا رہا  
پولون نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ اس تیز اور فیصلہ کن قاضی کے فیصلہ پر عمل کیا جائے جس کا نام  
تکرار ہے، انھوں نے اوکرین اور کریسا پر حملہ کی تیاری کی، ترکی نے چھ ہزار فوج پہلے ہی بھیج دی تھی،  
اور اب خود سلطان محمد چارم بذات خاص پولینڈ کے مقابلہ میں فوج لیکر نکلا، "تکرار" نامی قاضی نے  
یہ فیصلہ کیا کہ پول اوکرین اور پولڈولیا و ویدولون سے دست بردار ہو جائیں اور ۲۲ لاکھ کا سالانہ خراج ادا  
کریں، لیکن پول بہت جلد اپنے اس معاہدہ سے مکر گئے، اور دوبارہ لڑائی چھیڑ گئی، پولینڈ کے ساتھ  
روس اور ان اطراف کے عیسائی امراء بھی مل گئے، فتح و شکست کا پلہ کبھی ادھر اور کبھی اُدھر جھکتا رہا،  
اور آخر ۱۸۶۲ء میں وہی فیصلہ بحال ہوا جس سے پہلے "قاضی شمشیر" میدان جنگ کی عدالت میں صادر  
کر چکا تھا اور اوکرین بدستور سلطان کے ماتحت باقی رہا، اسکے بعد روسیوں نے تنہا اس میدان میں  
قسمت آزمائی کی اور ساہا سال کی جنگ کے بعد ۱۸۶۱ء میں پھر وہی فیصلہ بحال رہا کہ قوزاق  
بدستور سلطان کے ماتحت رہیں،

اسکے بعد روس نے قوزاق کو تلوار کے خوف کے بجائے مال و زر اور جاہ و جائیداد کا طمع دلا کر  
سلطنت عثمانیہ کی کمزوری کے زمانہ میں اپنا کر لیا، ان کے ساتھ بڑی بڑی مراعاتیں کیں اور انکو فوج  
میں بھرتی کیا اور جو بعد کو روسیوں کے بہترین سپاہی ثابت ہوئے، اور تمام دنیا میں اسکے نام کی ہلک  
بیچ گئی، خدا جانے کن اسباب سے خود روسی اور اسکے ساتھ یورپین اہل قلم بھی جسکا کام راستی اور سچائی کا  
اظہار یہ مشہور کرتے رہے ہیں کہ قوزاق عیسائی ہیں، اس زمانہ کے ایک مسلمان روسی مورخ نے اس



واقعہ کی نسبت سخت تعجب کا اظہار کیا ہے، اور لکھا ہے کہ قوزاق بین ایک بھی غیر مسلم نہیں، اگر وہی مشرعی اسکے عیسائی مشہور کرنے کے ایک درپے لگے، یہ شاید اسلئے تاکہ دنیا کو یہ معلوم ہو کہ روسیوں کی طاقت مسلمان سپاہیوں کے دم خم سے قائم ہے،

اب ان اطراف میں لے دیکر صرف ایک اسلامی سلطنت خان کریمیا کی رہ گئی، اور اس نے اخیر ۱۸۵۳ء تک ساتھ دیا، گو کہ پیچ پیچ میں اس نے سرکشی بھی کی، سوشلہ عین عثمان پاشا نے داغستان حملہ کیا، تو گو سخت معرکوں کے بعد اسکو کامیابی ہوئی، لیکن کریمیا کے پیشانی پر یہ داغ ہے کہ اس نے سلطان کے حکم کے باوجود عثمان پاشا کی مدد میں اپنی فوج روانہ نہ کی، لیکن اس بہادر سپہ سالار نے یہ کیا کہ داغستان سے چلکر پورے قفقاز کو عبور کر کے روسیوں کے دل بادل کو چیرتا ہوا جو اسکو راستہ میں ہر جگہ گھیر لینا چاہتے تھے، بحر اسود کے دوسرے کنارہ پر جا کر لنگھا، اور کریمیا کے سامنے اپنی فوج لا کر کھڑی کر دی، خان کریمیا نے مقابلہ کرنا چاہا مگر اس دینی خیانت کا معاوضہ خود اس کے بہائی نے اس سے لے لیا اور وہی پھر سلطان کی طرف سے کریمیا کا خان مقرر ہوا،

روسیوں نے کریمیا پر حملہ ۱۸۵۴ء میں کیا، یہ جنگ کئی سال تک قائم رہی، اور بڑھتے بڑھتے یورپ اور ایشیا اور افریقہ میں ہر جگہ پھیل گئی، روسیوں کی بحری طاقت بڑھی ہوئی تھی، انھوں نے بحر اسود کے بندرگاہ طرابزون اور کریمیا پر حملہ کیا، جزائر یونان پر قبضہ کیا، بحر متوسط میں آکر مصر کے باغی گورنر علی پاشا کو مدد دی، بیروت پر گولہ باری کی اور قسطنطنیہ پر حملہ کی تیاری کی، لیکن کریمیا کے علاوہ ہر جگہ غلبہ روسیوں کے بعد انکو ہٹ جانا پڑا، ۱۸۵۶ء میں پہلی مجلس صلح میں روسیوں نے یہ شرطیں پیش کیں کہ کریمیا کے تاتاریوں سے دولت عثمانیہ قطع تعلق کرے، حکومت عثمانیہ میں جب قدر راقم دیکس عیسائی ہیں وہ روس کی سرپرستی میں دیئے جائیں اور روس کے حاکم کو آئندہ سے بادشاہ لکھا جائے سلطان نے یہ شرطیں نامنظور کیں، بالآخر ۱۸۵۶ء میں فریقین نے ان شرائط پر دستخط کئے کہ تاتار کریمیا

دیسر یا دقوبان سیاسی حیثیت سے خود مختار ہونگے، لیکن مذہبی حیثیت سے وہ سلطان کے تابع رہیں گے اور وہ تمام مقامات اور قلعے جن پر روسیوں نے قبضہ کر لیا، وہ خان کریمیا کے سپرد کر دیئے جائیں، اور روسی آستانہ محلہ پیرامین اپنا گرجا بنا سکیں گے، اور تمام آرٹھوڈوکس روسیوں کے مذہبی اثر میں سمجھے جائیں گے اور حاکم روس کو بادشاہ لکھا جائیگا، اور روسی جزائر اور گرجستان وغیرہ کے شہروں کو ترکی کے حوالہ کر دیئے گے۔

کریمیا کی آخری بربادی اور سلطنت روس کے اسپر قبضہ کی تاریخ شاید ہندوستان کے لوگوں کو یاد ہو کیونکہ اس جنگ میں ہارٹی اسلام دوست سرکار نے بھی کریمیا کے مسلمانوں پر رحم کہا کہ ان کے بچانے کے لئے اپنی ہندوستانی فوج بھیجی تھی، اور جسکی منت کے بارگراں سے اس جنگ عظیم کے بعد بھی مسلمان سبکدوش، نہیں، کریمیا کی بربادی کا واقعہ یہ ہے کہ بیت المقدس کے عیسائی مقدس مقامات اور کنیون کی تولیت کا فخر سلطان سلیمان کے زمانہ سے فرانس کو حاصل تھا، فرانس کیتھولک اور روس آرٹھوڈوکس ہے، ان دونوں فرقوں نے بیت المقدس کی تولیت پر اصرار کیا، روس نے اپنے فرقہ کی جنبہ داری کی، ترکی نے اس معاملہ کے طے کرنے کے لئے مختلف عیسائی سلطنتوں کے نمائندوں کا ایک کمیشن مقرر کیا۔ شدوشستون کے بعد اس کمیشن نے یہ فیصلہ کیا کہ بیت المقدس کے عیسائی مقدس مقامات کی تولیت بدستور فرانس کے ہاتھ میں رہے، روس نے اعلان کیا کہ اگر بیت المقدس کی تولیت فرانس کے حوالہ لگی تو وہ بزور شمشیر اس فیصلہ کو رد کر دیگا، ترکی نے اس فیصلہ سے انحراف کیا اور ایک عظیم اشان جنگ جمیں اسکے لاکھوں سپاہی مارے گئے اور کئی صوبے اسکے ہاتھ سے چل گئے اپنے سرلی، اسی کا نام جنگ کریمیا ہے اور جمیں فرانس اور انگلستان نے روس کے مقابلہ میں ترکی کا ساتھ دیا، اور یہی دہ سنت عظیم ہے جسکا ذکر بار بار اخبارات میں آچکا ہے،

روس نے ایشیا اور یورپ سلطنت کے دونوں گوشوں پر اپنا پرزور حملہ شروع کر دیا، ترکی کی



فوج کے سرور و پرپ میں عمر پاشا اور ایشا میں عہدہ پاشا تھے، دونوں نے بہادری سے روسیوں کو سامنا کیا اور بادیہ و ہرقم کے شکلات کے اپنے کارناموں سے دنیا کو حیرت کر دیا، پھر حال یہ جنگ ۱۸۵۳ء سے شروع ہو کر ۱۸۵۶ء میں ختم ہو گئی، اور اسی کے ساتھ تاتاریوں کی آخری اسلامی ریاست بھی خاتمہ ہو گیا۔

ترکستان اور قفقاز میں جو اسلامی ریاستیں تھیں دسویں صدی ہجری اور سولہویں صدی ہجری کے وسط میں وہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم ہو گئی تھیں، ترکستان میں بخارا، خوقند اور خیوا کی ریاستیں تھیں، ہر ریاست میں حصول تخت کے لئے خانہ جنگیاں برپا تھیں، ترکستان کا ایک حصہ جو افغانستان کے متصل تھا دہلیویوں کے ہاتھ میں تھا، بدخشان میں ہالیوں کا بہائی حاکم تھا، اور اورالہنہ کی حکومت میں جبکا دار الحکومت سمرقند تھا، عبداللطیف خان والی توران کے مرنے سے وہاں بھی خانہ جنگیاں برپا تھیں، سمرقند میں خان مرحوم کا جانشین براق خان ہوا تھا، بلخ میں میر محمد خان، قندزا اور ترمذ میں اسکا چھوٹا بہائی اور بخارا میں برہان سید خان نے اپنی اپنی خود مختاری کے علم کھڑے کئے تھے، ان میں سے ہر ایک سلطان عثمانی کے سایہ میں پناہ ڈھونڈتا تھا، سلطان نے یہ مناسب سمجھا کہ اورالہنہ و توران کے اصلی جانشین براق خان کی مدد کیجائے، اس زمانہ میں فوجی تنظیم اور نوپ اور بندوبست کا وجود صرف ترکی فوج میں تھا، سلطان نے ۳۰ ہنگری سپاہی نئے آلات سے مسلح کر کے نہایت خفیہ اور چھپاؤ میں سے ایرانی صفویوں کی نظر بچا کر براق خان کے پاس بھیجے، یہ چند سو سپاہی اپنی فوجی تعلیم اور جدید آلات کے اعجاز کے باعث براق خان کے لئے رحمت ثابت ہوئے اور انہیں کے ذریعہ ان ملکوں میں یہ اسلام پہنچا،

شاہجہان نے اپنے زمانہ میں بخارا کو اپنی عدد و حکومت میں داخل کرنے کا ارادہ کیا اور اسے ترکی میرا پور سیدی علی نے اپنے سفر نامہ میں یہ تمام واقعات لکھے ہیں،

ہندوستان سے بہت بڑی فوج روانہ کی، اس مہم کی پوری تفصیل ہندوستانی تاریخوں میں موجود ہے، والی توران نے سلطان سلیمان کے دربار میں فریاد کی، سلطان نے شاہجہان کو جو خط لکھا ہے اور شاہجہان نے جو اسکا جواب دیا ہے وہ آج بھی اوراق میں محفوظ ہے، سلطان سلیمان نے ہر طرح کی کوشش کی ہے کہ ان دونوں مسلمان بادشاہوں میں صلح و آشتی سے معاملات طے پا جائیں، خیوا کی ریاست پر سلطان سلیمان کے زمانہ میں دوست محمد خان حاکم تھا، حاجی خان اس کے رقیب نے اسکو اور اس کے بہائی عیش سلطان کو قتل کر کے خود حکمران بن گیا، یہاں سلمان باہم دست و گریبان تھے، اور اسی کے قریب چند سال پہلے روسیوں نے استرخان کی اسلامی سلطنت کو برباد کیا تھا، روسی جب موقع پاتے تھے اور ہر بڑھتے چلے آتے تھے، ترکی امیر البحر جب اسی زمانہ میں یعنی ۱۸۶۵ء مطابق ۱۲۸۶ھ میں ادھر سے گذر رہا تھا تو ہر جگہ اسکو نظر آ رہا تھا کہ لوگ روسیوں کی آمد سے خوف زدہ ہیں، اور اسکو راستہ میں لٹے ہوئے اور کچے کچے مسلمان ان اطراف سے بہاگ کر آتے ہوئے ملتے، تاہم روسیوں نے مدت تک ادھر رخ نہیں کیا، ان اطراف میں بعض غیر مسلم تاتاری قبائل اب بھی موجود تھے، جنکے ہاتھ سے مسلمان تکلیف اٹھاتے تھے، اور وہ بے تکلف روسیوں کے ساتھ ہو جاتے تھے، سلطنت عثمانیہ نے سترہویں صدی کے آخر یا اٹھارہویں صدی کے شروع میں فرخ پاشا کو ان اطراف میں اسلام کی تبلیغ اور اشاعت کے لئے بھیجا،

بخارا اور خیوا کی ریاستیں انیسویں صدی کے اواخر میں روسیوں کی باغداد ہوئیں، یعنی اس وقت جب ۱۸۸۰ء میں انگریزوں نے خدیو مصر کو اور ۱۸۸۲ء میں فرانس نے بای تونس کو اپنا پایہ تخت بنایا، ۱۸۹۶ء میں امیر بخارا اور ۱۸۹۳ء میں امیر خیوا نے خوزیر لائیون کے بعد روسی حمایت میں آنا گوارا کیا، یہ وہ وقت تھا جب خلافت عثمانیہ ہر چار طرف سے دشمنوں کے زعم میں پسپا ہو کر دست و پا ہو چکی تھی اس لئے یہ اسلحہ دنیا غلغلا میں کے قلمی نسخہ میں محفوظ ہیں، اسلحہ مقدمہ پروفیسر دیمیری رزیربہ مرآۃ الممالک سید علی امیر البحر،



ذریعہ سے امیر المومنین اور حامی دین مبین کی پیشگاہ تک پہنچا دیجئے،  
اس زیادنامہ کے آغاز اور خاتمہ میں عربی کے چند استعارہ میں جنکو سن کر ایک سمدان کا دل  
سینہ سے باہر نکل آتا ہے:-

تاہم اس وقت بھی اس سے جو کچھ ہو سکتا تھا وہ اس سے پہلوتی نہیں کرتی تھی، چنانچہ انیسویں صدی میں  
وسطیٰ سلطان عبدالحمید خان نے امیر بخارا کے پاس بخاریوں کو جدید فن جنگ کی تعلیم دینے کا  
ادروہان جدید طریق پر باقاعدہ فوج قائم کرنے کے لئے ترکی افسر اور معلمین جنگ بھیجے،  
ترکستان کا وہ علاقہ جس پر چین نے قبضہ کر لیا تھا یعنی کاشغر تا این غازی یعنوب خوش یگلی  
اسی زمانہ میں چینوں کو وہاں سے نکال کر اپنی سلطنت قائم کر لی تھی، سلطان نے اُس کے پاس بھی  
فوجی مدد بھیجی اور فوج کی تعلیم کے لئے ترکی افسر اور معلم روانہ کئے۔

روسیوں نے ان علاقوں پر قبضہ کرنے کے بعد مسلمانوں پر جو مظالم کئے اور روسی مشرین  
 اُن کے عیسائی بنانے کے لئے جو جابرانہ کوششیں کیں اُنکی تفصیل کے لئے ایک دفتر چاہیے کہ  
 سوال یہ ہے کہ ان مظالم کو سن کر باسفورس کے کناروں پر بسنے والے مسلمانوں کے علاوہ کس کے  
 میں دل تڑپا؟ اور کسکی انکھیں اشکبار ہوئیں؟ اور کس نے اُنکو ان درطہ رستم سے نکالنے کے لئے اپنے  
 ہاتھ پاؤں ہلائے؟ انیسویں صدی عیسوی کے اواخر کے وزیرِ معرکہ روم دروس کے بعد  
 جب برلن میں صلح کی کانفرنس بھیجی تو ترکی سفیر نے روسی مسلمانوں کے مصائب اور اُنکی سیکی مظلومیت  
 کی داستان یورپ کی مجلس صلح کے سامنے پیش کی، روسی سفیر نے اسکے جواب میں روسی مسلمانوں کی  
 طرف سے اور اُنکے دستخطوں سے ایک محضر پیش کیا جو یا جعلی تھا یا چند منافق مسلمانوں کا یہ کام تھا اور  
 یا جبراً مسلمانوں سے لکھوایا گیا تھا، جس میں تحریر تھا کہ یہ واقعات سرتاسر غلط ہیں، اور ہم شہنشاہِ روس کے  
 زیر سایہ نہایت امن و اطمینان کے ساتھ ہیں، ترکی سفیر اس محضر کو دیکھ کر غمناک امت کے سوا اور کچھ جواب  
 نہ دیکھا، بالآخر ۱۸۹۱ء میں روسی مسلمانوں کا بیانیہ صبرِ بریز ہو گیا، قازان کے علماء نے عربی میں ایک  
 پُروردہ اور دل ہلا دینے والا فریادناہ لکھ کر علماء حرمین کی خدمت میں بھجوا، اور لکھا کہ اسکو شیخ الاسلام

۱۰۰ مقدمه بر فیض دیگری بر ترجمه امیر المومنین علی علیه السلام ۱۰۱



الیس لنا ابی النفس شہم یدوس مع الدوا وناخذ تدور

کیا ہماری مدد کے لئے کوئی خود دار بہادری نہیں؟ جو مصیبتوں کے ساتھ ساتھ گھر مٹا رہے،

زیاد نامہ کے آفرین اس دردناک قیدیہ کے چند شعر تھے جو مسلمانانِ اندلس نے اپنی بجائی کے دنوں میں مسلمانانِ عالم کے نام لکھا تھا،

علمائے حرمین نے اس زیاد نامہ پر اپنے دستخط ثبت کر کے اور اسکو چھپو کر حکام اور اعیان میں قسیم کیا اور اسکے کچھ نسخے علمائے قطنیہ کے پاس بھیج دیئے، علمائے قطنیہ کے پاس جب یہ زیاد نامہ پہنچا تو ان میں ایک اضطراب برپا ہو گیا، جامع ید زمین سلطان جمعہ کی نماز ادا کرتے تھے، ایک پر جوش عالم سید اسعد مدنی نے مؤذن کو حکم دیا کہ جمعہ کے دن رسم سلامتی کے موقع پر یہ زیاد نامہ شیخ الاسلام کی خدمت میں پیش کیا جائے اور خود اس زیاد نامہ کا ترکی میں ترجمہ کر کے سلطان کے حضور میں پیش کرے سلطان نے اپنے سفیر روس کے ذریعہ سے ایک تحریر حکومت روس کو بھیجی، روس کا مسلمان مورخ لکھتا ہے اس تحریر کا بہت اچھا اثر ہوا، اور مسلمانوں کی تکالیف میں تخفیف ہو گئی، اگر انکو حکومت روس میں اس سے تعلیم و ترقی کے مواقع ہم پہنچے،

نادر شاہ کے بعد افغانستان روس و انگلستان کی سیاسی سازشوں کے بیچ میں گرفتار رہا، ترکستان و قازان وغیرہ میں مسلمانوں کے ساتھ روس کا جو برتاؤ تھا اسکو دیکھ کر افغانستان کے لئے یہی صلاح مناسب تھی کہ وہ روس کے بجائے انگلستان کا ساتھ دیکر اپنی زندگی کو خطرہ سے بچائے، سلطان نے اپنا ایک سفیر امیر افغانستان کے پاس بھیجا، امیر عبدالرحمن خان ترک میں لکھتے ہیں کہ چونکہ افغانستان میں سلطانی سفیر کی آمد کا یہ پہلا موقع تھا اسلئے امیر نے یہ سمجھا کہ یہ بنا ہو اس سفیر سے، ۱۸۷۷ء میں امیر شیر علی خان نے غالباً روسیوں کے اشارہ سے انگریزوں کے برخلاف ایک مہم کی تیاری کی، اور سرحد پر جہاد کی پرزور

بلی کی، اس موقع پر سلطان نے اپنا ایک سفیر بھیجا، اور امیر کو اس سے باز رکھا، امیر عبدالرحمن خان نے ترک میں لکھا ہے کہ یہ فرمان سلطانی نہایت موثر ہوا، اور امیر شیر علی خان نے اپنے رویہ کو بدل لیا، روس نے اس اثر کو مٹانے کے لئے اسکے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا کہ وہ یہ باور کرے کہ یہ سفیر سلطان کا فرستادہ نہیں بلکہ جعلی ہے۔

اسکے بعد جب امیر عبدالرحمن خان نے خدا داد سلطنت افغانستان کے تخت پر جلوس فرمایا، اور سلطنت کے نظم و نسق کو درست کیا اور افغانستان میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا تو ترک ہی تھے، جنہوں نے امیر مرحوم کو اس کا رخصت میں مدد دی، ترک انہوں نے اور مسلمانوں نے اگر افغانستان کی فوج کی ترتیب و تنظیم کی اسکو جدید آلات اسلحہ کا استعمال سکھا، اور کابل میں مدرسہ عربیہ قائم کیا اور مسجد اللہ کہ وہ سلسلہ آج بھی قائم ہے اور سب کے سامنے ہے،

تفقہانہ کا ذکر بیود ہے کہ اس خطہ کا کون سا اسلامی شہر ہے کہ جسکو ترکوں نے اس وقت تک رسیدوں کے حوالہ نہیں کیا جب تک اپنے سپاہیوں کی لاشوں سے اس شہر کی خندق کو پاٹ نہیں دیا ہے اور اس وسیع رقبہ میں زمین کا کونا چپہ ہی جہان عثمانی سپاہی کا خون نہیں بہا ہے،

اس تمام داستان کو ختم کر کے ہمارے ناظرین اب سمجھے ہونگے کہ خلافت عثمانیہ نے دنیاوی اسلام کی خدمت گزاری کا فرض کس طرح ادا کیا، اور صدیوں تک اس باریک و اعظم کو اس نے کیونکر اٹھایا؟

## روح الاجتماع

جامعہ اے انسانی کا علم نفس، قیمت عام



## طلاق

## عیسائی مذہب میں

از مولانا عبدالسلام ندوی

عام طور پر مشہور ہے کہ عیسائی مذہب صرف حالتِ زنا میں طلاق کی اجازت دیتا ہے، یعنی عورت کو صرف اس صورت میں طلاق دیا جاسکتی ہے جب وہ اس فعلِ شنیع کی مرتکب ہو، اسکے سوا اور تمام ناگوار حالتوں میں طلاق ممنوع ہے، آج عام طور پر عیسائی دنیا کا اسی پر عمل ہے، اور یورپ اور امریکہ کی عدالتوں میں اس قسم کے ہزاروں مقدمات دایر ہوتے رہتے ہیں جنہیں طلاق کی غرض سے عورتوں پر اور کاب فواحش کے الزام لگائے جاتے ہیں، لیکن پادری الفون صالحانی نے ایک نہایت مفصل مضمون میں جو پہلے مجلہ الشرق میں شائع ہوا تھا اور بعد کو ایک رسالہ کی صورت میں شائع ہوا یہ ثابت کیا ہے کہ عیسائی مذہب حالتِ زنا میں بھی طلاق کی اجازت نہیں دیتا، صرف دنیوی اغراض نے اس غلط سکہ کو عیسائی دنیا میں رواج دیا ہے، ورنہ انجیل نے ہر حالت میں طلاق کو ممنوع قرار دیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ابتداءً یہودی مذہب میں بھی طلاق ناجائز تھی، لیکن جب یہودیوں نے قسادتِ قلب کا اظہار کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انکو طلاق کی اجازت دی تاہم یہودیوں کے بیان طلاق کا لفظ دو معنوں میں مستعمل تھا، ایک عام معنی تھے جسکے ذریعہ سے عورت سے دائمی علیحدگی اختیار کیا جاسکتی تھی لیکن وہ دوسرا نکاح نہیں کر سکتی تھی اسلئے اس حالت میں پہلا نکاح قائم رہتا تھا، دوسرے خاص معنی تھے، جسکے ذریعہ سے نکاح فسخ ہو جاتا تھا، اور اس حالت میں عورت کو ایک طلاق نامہ دیا جاتا تھا جو اسکو دوسرے نکاح کا مجاز کرتا تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک انہی دونوں صورتوں پر

یہود کا عمل تھا، لیکن انھوں نے نکاح کو ایک مقدس فرض قرار دیکر اسکو کلیسا کا ایک مخفی راز قرار دیا، اور اس رشتہ کو اسقدر مستحکم کر دیا جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا تھا، چنانچہ انھوں نے فرمایا:-

”جس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دیکر دوسرا نکاح کیا، اُس نے زنا کیا، اور جس عورت نے اپنے

شوہر کو طلاق دیکر دوسرے شخص سے نکاح کیا اُس نے زنا کیا، (مرقس ۱۰: ۱۱-۱۲)

دنیا میں جب عیسائی مذہب پھیلا ہے، اسوقت سے لیکر آج انیسویں صدی تک عیسائی مذہب

کے ساتھ ساتھ اس مقدس تعلیم کی بھی اشاعت ہوئی ہے، اور کیتھولک، غیر کیتھولک، لیٹن، رومی،

سربانی، ارمنی اور قبطی ہر فرقہ، ہر قوم، ہر ملک، ہر شہر، ہر گاؤں، اور ہر خاندان نے جہیں عیسائی مذہب

پھیلا ہے، اس تعلیم پر عمل کیا ہے، لیکن با این ہمہ یہ ایک نہایت عجیب بات ہے کہ بعض غیر کیتھولک

لوگوں نے زنا کی صورت کو اس عموم سے مستثنیٰ کر دیا ہے، اور انجیل کی ان آیتوں

جس شخص نے زنا کے علاوہ اپنی بیوی کو طلاق دی اُس نے اسکو زانیہ بنایا، (متی ۵: ۳۲)

جس شخص نے زنا کے علاوہ اپنی بیوی کو طلاق دی اور دوسری سے نکاح کیا اس نے زنا کیا، (متی ۱۹: ۹)

کے رد سے حالتِ زنا میں طلاق کو جائز قرار دیا ہے، لیکن کتاب مقدس کی جن جن آیتوں میں نکاح

اور طلاق کا ذکر آیا ہے، ان کے پیش نظر کر لینے کے بعد انکی رائے کی غلطی واضح ہو جاتی ہے، نکاح اور

طلاق کے متعلق کتاب مقدس کی آیتیں حسب ذیل ہیں:-

اے آدمی اپنے ان باپ کو چھوڑ کر بی بی کا ہو رہتا ہے تو وہ دونوں ایک قالب ہو جاتے ہیں،

(تکوین ۲: ۲۴)

کہا گیا ہے کہ جس شخص نے اپنی بی بی کو طلاق دی وہ اسکو ایک طلاق نامہ دے، لیکن میں تم سے

کہتا ہوں کہ جس شخص نے زنا کے علاوہ اپنی بیوی کو طلاق دی اُس نے اسکو زانیہ بنایا، اور جس شخص نے

(متی ۵: ۳۱-۳۲)

مطلقہ عورت سے نکاح کیا اُس نے زنا کیا



ذبیحوں کی آزمائش کے لئے یہ کہتے ہوئے آئے کہ کیا انسان ہر سبب کی بنا پر اپنی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے؟ اس نے یہ کہہ کر جواب دیا کہ کیا تم نے یہ نہیں پڑھا کہ جس ذات نے ابتداءً انسان کو پیدا کیا، اس نے انکو مرد اور عورت پیدا کیا، یہی وجہ ہے کہ آدمی اپنے باپ، اماں کو چھوڑ کر اپنی بی بی کا ہر رہتا ہے، اس لئے وہ دونوں ایک قالب ہو جاتے ہیں، تو وہ اب دو نہیں رہ جاتے، ایک ہو جاتے ہیں، اور جس چیز کو خدا نے جمع کر دیا، انسان اسکو جدا نہیں کر سکتا، ان لوگوں نے کہا تو پھر یسوی نے کین طلاق نامہ دینے کی وصیت کی، اس نے کہا، یسوی نے ہمارے قسادت قاسم سے تم کو طلاق کی اجازت دی، ابتداءً میں اسکی اجازت نہ تھی، لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ جس شخص نے زنا سے علاوہ اپنی بی بی کو طلاق دی، اور دوسری عورت سے نکاح کیا اس نے زنا کیا، اور جس شخص نے مطلقہ عورت سے نکاح کیا اس نے زنا کیا، اب ان کے تلامذہ نے کہا کہ اگر عورت کے ساتھ مرد کی یہی حالت ہو تو اس کے لئے بہتر یہی ہے کہ نکاح نہ کرے، اس نے کہا بجز ان لوگوں کے جنکو وہی قوت عطا ہوئی ہے، ہر شخص اس کلام کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

(متی ۱۹: ۳-۱۲)

جو عورت کسی مرد کے نکاح میں ہے وہ جب تک مرد زندہ ہے، اس کے ساتھ تعلق ہے، لیکن جب مرد مر گیا تو وہ اس تعلق سے آزاد ہو گئی، اس بنا پر جب تک اسکا شوہر زندہ ہے، اگر اس نے دوسرے مرد سے نکاح کیا تو وہ زانیہ کہی جائیگی، اور اگر اسکا شوہر مر گیا تو وہ مرد کے تعلق سے آزاد ہی رہے گی، لیکن اگر اس نے دوسرا نکاح کیا تو وہ زانیہ نہ کہی جائیگی۔ (رومیہ ۷: ۲-۳)

نکاح کرنے والوں کو میں نہیں بلکہ خدا یہ وصیت کرتا ہے کہ عورت اپنے شوہر کو نہ چھوڑے اور اگر اس نے اسکو چھوڑ دیا تو یا غیر شکوہ رہے یا اپنے شوہر سے پھر مصالحت کر لے اور مرد اپنی بی بی کو نہ چھوڑے۔

(اکوئٹس ۷: ۱۱)

ان آیات کے پیش نظر جو جانے کے بعد اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے اس لفظ علاوہ علت زنا کے

جو انجیل میں مذکور ہے، قطع نظر کر لیں تو تمام آیتوں سے علانیہ ثابت ہوتا ہے کہ عیسائی مذہب نے عموماً تمام حالات میں طلاق کو ممنوع قرار دیا ہے، اشکال جو کچھ پیدا ہوتا ہے صرف اس لفظ سے پیدا ہوتا ہے لیکن طلاق کے جو دو معنی عام و خاص ہم نے بیان کئے ہیں، ان کے لحاظ سے یہ اشکال نہایت آسانی کے ساتھ ذائل ہوتا ہے، کیونکہ مسیح علیہ السلام کے اس ارشاد میں کہ جس شخص نے اپنی عورت کو زنا کی حالت کے علاوہ طلاق دی اس نے اسکو زانیہ بنایا۔

اور نیز اس ارشاد میں کہ

جس شخص نے زنا کی حالت کے سوا اپنی بی بی کو طلاق دی، اور دوسری عورت سے نکاح کیا اس نے زنا کیا، قرآن سے ثابت ہوتا ہے کہ انھوں نے طلاق کے معنی عام مراد لئے ہیں، یعنی زانی اور زانیہ کے پاداش گناہ میں صرف دائمی علیحدگی کی اجازت دی ہے، فسخ نکاح کو جائز نہیں قرار دیا ہے ورنہ وہ اس حکم کے بعد یہ نہ فرماتے کہ

جس نے مطلقہ عورت سے نکاح کیا اس نے زنا کیا، (متی ۵: ۳۲ و ۱۹: ۹)

کیونکہ اس میں مطلقہ کا لفظ ہر عورت کو خواہ زانیہ ہو یا نہ ہو شامل ہے، اس لئے اگر مطلقہ سے وہ عورت مراد ہوتی جسکا نکاح فسخ ہو چکا ہے تو وہ شخص جس نے اس سے نکاح کیا ہے زانی کہوں قرار پاتا؟

دوسری بات یہ ہے کہ زنا کی حالت میں مسیح علیہ السلام نے طلاق کی تو اجازت دی ہے لیکن دوسری عورت سے نکاح کا حکم نہیں دیا، جس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس طلاق سے فسخ نکاح مراد نہیں ہے بلکہ صرف دائمی علیحدگی مقصود ہے، کیونکہ اگر مسیح علیہ السلام کا مقصد طلاق ہو تو اس کے بعد یہ جملہ

جس شخص نے مطلقہ عورت سے نکاح کیا اس نے زنا کیا،

بالکل سکے سانی ہوگا، لیکن اگر طلاق سے صرف دائمی علیحدگی مراد لی جائے تو یہ جملہ اسکی تائید کرے گا، کیونکہ



طلاق کے بعد نکاح کی ممانعت سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اس طلاق سے فسخ نکاح نہیں ہو سکتا ہے، صرف دائمی علحدگی ہو سکتی ہے،

اس کے علاوہ مذہب موسوی میں طلاق کے بعد عورت کو ایک طلاقتنامہ لکھ کر دیا جاتا ہے جو دوسرے نکاح کا مجاز قرار دیتا تھا، لیکن مسیح علیہ السلام کے ارشادات میں طلاقنامہ کا ذکر نہیں ہے بلکہ اس کے برخلاف دوسرے نکاح کی ممانعت کی گئی ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس طلاق سے صرف دائمی علحدگی مقصود ہے،

قرآن اور روایات کی انجیلوں میں اس بارہ میں جو آیتیں مذکور ہیں، ان سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ مرقس کی انجیل میں آیا ہے کہ ایک بار مسیح علیہ السلام کے تلامذہ نے ان سے اس کے متعلق استفسار کیا (مرقس ۱۰: ۱۰) جس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ خود مسیح علیہ السلام کی زبان مبارک سے اس کی واضح تفسیر کرائیں، چنانچہ ان کے استفسار کے جواب میں مسیح علیہ السلام نے ارشاد فرمایا، جس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور دوسری عورت سے نکاح کیا، اس نے زنا کیا اور اگر عورت نے اپنے شوہر کو چھوڑ کر دوسرے سے نکاح کیا تو اس نے زنا کیا،

مسیح علیہ السلام کے اس ارشاد میں وہ طلاق مراد ہے جس سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے اور دوسرا نکاح جائز ہو سکتا ہے، اس بنا پر انھوں نے کلیتہً اس کی ممانعت فرمائی، زنا کی حالت کو مستثنیٰ نہیں کیا اور مرد کی طرح عورت کے لئے بھی نکاح ثانی کو حرام قرار دیا، اس بنا پر جب طلاق کے بعد کلیتہً نکاح منع قرار پایا تو اس سے طلاق ثابت ہو کہ دین عیسوی میں عموماً طلاق حرام ہے،

اہل کورنٹس نے پولوس رسول سے نکاح کے متعلق بعض مسائل دریافت کئے تھے، انھوں نے ان کا جواب دیا اس سے بھی انجیل کی اس تعلیم کی تائید ہوتی ہے، انھوں نے انکو لکھا میں نہیں بلکہ خدا نکاح کرنے والوں کو وصیت کرتا ہے کہ عورت اپنے مرد کو نہ چھوڑے

اور اگر چھوڑ دے تو یا بلا نکاح زندگی بسر کرے یا اپنے شوہر سے مصالحت کر لے اور مرد بھی اپنی بیوی کو نہ چھوڑے۔

(کورنٹس ۷: ۱۰-۱۱)  
انجیل متی کے مطابق معتز فین نے زنا کو طلاق کی علت قرار دیا ہے، حالانکہ پولوس نے عورت کو بلا نکاح زندگی بسر کرنے کا حکم دیا ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس حالت میں بھی عورت نکاح کی پابند ہے، اسی فصل کی انتالیسویں آیت میں پولوس رسول کا ارشاد ہے کہ جب تک عورت کا شوہر زندہ ہے وہ اس کی نکاح کی پابند ہے، لیکن اگر اس نے انکو بہن بن کر لیں تو وہ آزاد ہے اور جس شخص سے چاہے نکاح کر سکتی ہے۔

دراستین انھوں نے زنا یا کسی دوسری علت کو مستثنیٰ نہیں قرار دیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام نے حالت زنا میں طلاق کی جو اجازت دی ہے اس سے پولوس نے دائمی علحدگی کے معنی سمجھے ہیں اور اس علحدگی کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے، اگر عورت نے اپنے شوہر کو چھوڑ دیا ہے تو وہ بلا نکاح زندگی بسر کرے یا اپنے شوہر سے مصالحت کر لے اور مرد بھی اپنی عورت کو نہ چھوڑے۔

کیونکہ مصالحت صرف علحدگی کی صورت میں ہو سکتی ہے، فسخ نکاح کے بعد مصالحت کا امکان نہیں ہے اور زنا کی حالت میں طلاق سے بھی علحدگی مقصود ہے،

پولوس رسول نے اہل رومیہ (۲: ۷) کو جو خط بھیجا ہے، اس میں بھی نہایت وضاحت کے ساتھ اسی تعلیم کا اعادہ کیا ہے، ان دلائل کے ساتھ اگر ہم انجیل متی کی ان نصوص کا جن سے فریق مخالف نے استدلال کیا ہے غور سے مطالعہ کریں تو ان دلائل کی قوت اور بھی بڑھ جاتی ہے، کیونکہ مسیح علیہ السلام نے انجیل کی پانچویں فصل میں شریعت جدیدہ (مذہب عیسوی) اور شریعت قدیمہ (مذہب موسوی) کا ان الفاظ میں مقابلہ کیا ہے،



کہا گیا ہے کہ جو شخص اپنی بی بی کو طلاق دے وہ اسکو ایک طلاق نامہ کہہ کر دے، لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ جو شخص حالت زنا کے علاوہ اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے وہ اسکو زانیہ بنانا ہے اور جو شخص مطلقہ عورت سے نکاح کرتا ہے وہ اس کے ساتھ زنا کرتا ہے،

یہی نے تمہارے قنات قلب سے تم کو طلاق کی اجازت دی حالانکہ ابتدائیں اسکی اجازت نہ تھی، لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ جس شخص نے حالت زنا کے علاوہ اپنی بی بی کو طلاق دی اور دوسرا نکاح کیا اس نے زنا کیا،

اور یہ دکھلایا ہے کہ انکی جدید شریعت نے موسیٰ کے قدیم مذہب کے اس نقصان کی تلافی کر دی ہے اور نکاح کو باطل سنت الہی کے مطابق کر دیا ہے، لیکن اگر ہم فریق مخالف کی رائے کے مطابق یہ تسلیم کر لیں کہ حالت زنا میں سچ علیہ السلام نے طلاق کی اجازت دی ہے تو متعدد وجوہ سے خود مذہب موسیٰ، مذہب موسیٰ کے مقابل میں ناقص اور غیر مکمل قرار پائیگا، مثلاً

(۱) ایک دیانت دار عورت ایک بد اخلاق شخص کے نکاح میں ہے، وہ اگر اسکو ظلماً وعدواناً طلاق دیدے تو وہ دوسرا نکاح نہیں کر سکتی، اور اسکو فریق مخالف بھی تسلیم کرتا ہے، لیکن اسکی رائے کے مطابق طلاق کے بعد ایک زانیہ عورت کا پہلا نکاح نسخ ہو جاتا ہے، اور وہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے، اور اس لحاظ سے عیسائی مذہب میں زانیہ عورت کی حالت ابک پاکباز عورت کی حالت سے بہتر ہوگی جو بالکل عدل انصاف کے شافی ہے،

(۲) موسیٰ مذہب نے زانیہ عورت کی سزا طلاق کے بجائے جہم قرار دی ہے، اور اس طرح اس مذہب سے جو عیسائی مذہب سے ناقص تر ہے زنا کے میلان کو رد کرتا ہے، لیکن اگر فریق مخالف کی رائے تسلیم کر لی جائے تو عیسائی مذہب نے حالت زنا میں طلاق کی اجازت دیکر زنا کے میلان کو اور ترقی دی ہے اور اخلاقی حیثیت سے اپنا درجہ موسیٰ مذہب کے مقابل میں بالکل گھٹا دیا ہے۔

(۳) موسیٰ مذہب میں صرف مرد کو طلاق کا اختیار دیا گیا تھا، لیکن اگر فریق مخالف کی رائے تسلیم کر لی جائے تو عیسائی مذہب میں زنا کی وجہ سے عورت بھی اپنے شوہر کو طلاق دے سکتی ہے اور اس لحاظ سے عیسائی مذہب نے طلاق کو موسیٰ مذہب سے بھی زیادہ عام اور وسیع کر دیا ہے، اور اس طرح موسیٰ مذہب عیسائی مذہب سے زیادہ کامل اور ترقی یافتہ قرار پاتا ہے،

(۴) ابتدائی آفرینش میں کسی سبب یہاں تک کہ زنا کی وجہ سے بھی رشتہ نکاح کو نہیں ٹھٹھا جاسکتا تھا چنانچہ خود سچ علیہ السلام نے فرمایا ہے،

یہی نے تمہارے قنات قلب سے طلاق کی اجازت دی ورنہ ابتدائیں ایسا نہ تھا،

اس بنا پر اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ سچ علیہ السلام نے حالت زنا میں طلاق کی اجازت دی ہے تو یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ انھوں نے نکاح کا اعادہ اسکی اصلی وضع کے مطابق نہیں کیا بلکہ اسکا رجسٹر اسکی قدیم حالت سے کم کر دیا، سچ علیہ السلام کے ارشاد اور پوروس رسول کی تعلیمات کے علاوہ عیسائی مذہب کے اکثر پادریوں اور اکثر عالموں کی تعلیم بھی یہی ہے کہ موت کے سوا کوئی چیز رشتہ نکاح کو نہیں توڑ سکتی، چنانچہ صاحب مخزن نے اکثر یونانی اور لاطینی پادریوں کی تصریحات نقل کی ہیں، اور اپنی رائے کے مطابق انکی شرح کی ہے مثلاً ایک رومانی عورت نے جبکا نام فایولا تھا زنا کی وجہ سے اپنے شوہر کو طلاق دیکر اس زمانہ کے تہنی قانون کے مطابق دوسرا نکاح کر لیا تھا، اس کے متعلق پادری ایرونیوس نے فتویٰ دیا کہ اس نے غلطی کی کیونکہ خدا نے حکم دیا ہے کہ حالت زنا کے علاوہ عورت کسی حالت میں طلاق نہیں دے سکتی، لیکن اگر اس حالت میں طلاق دیدی تو اسکو غیر منکوحہ رہنا چاہیئے، شریعت میں مرد اور عورت دونوں کا حکم ایک ہے، جو شخص کسی زانیہ عورت سے نکاح کر لیتا ہے وہ اس کے ساتھ یک قالب ہو جاتا ہے، اس طرح جو عورت کسی زانی سے نکاح کر لیتی ہے وہ اس کے ساتھ یک قالب ہو جاتی ہے، کیونکہ سچ کی شریعت تیار ہر کے قانون سے مختلف ہے، اور پاپا پیانوس کا حکم بیسٹ پوروس کا حکم نہیں ہے، ان لوگوں نے



مردوں کی باگ باگل ڈھیلی کر دی ہے، لیکن ہمارے نزدیک جو چیز عورتوں کے لئے جائز نہیں وہ مردوں کے لئے بھی جائز نہیں، اگر لوگ فایو لاکو اس بنا پر ملامت کرتے ہیں کہ اس نے طلاق کے بعد دوسرا نکاح کر لیا تو میں نہایت آسانی کے ساتھ اسکی غلطی کا اعتراف کرتا ہوں، کیونکہ فایو لاکو نے جائز ہونے پر ایسا کیا ہے، اور اسکو یہ معلوم نہ تھا کہ جب تک مرد زندہ ہے انجیل نے عورت کے لئے طلاق کو حرام قرار دیا ہے،

پادری اور غطینوس نے نہایت تفصیل کے ساتھ اس مسئلہ پر بحث کی ہے، اور اس مسئلہ کا قطعی فیصلہ کر دیا ہے، انھوں نے اس مسئلہ پر جو کچھ لکھا ہے اس کے بعض فقرے یہ ہیں :-

میں عورت کو شوہر سے علحدگی کی حالت میں غیر منکوحہ رہنے کا حکم دیا گیا ہے اس سے علحدگی کی آزادی کا سلب کرنا مقصود نہیں بلکہ صرف نکاح کی مانعت مقصود ہے،

رسول کے الفاظ جو بار بار گزر چکے اور بار بار ثابت کئے جا چکے ہیں وہ نہایت صحیح اور واضح ہیں، کوئی عورت دوسرے شخص کی بی بی نہیں ہو سکتی جب تک وہ اپنے پہلے شوہر سے جدا نہ ہو جائے اور پہلے شوہر سے بحر حالت زنا کے اس وقت تک جدا نہیں ہو سکتی جب تک وہ مر نہ جائے، لیکن اگر عورت ترکیب زنا ہو تو اسکو شوہر سے علحدہ کیا جاسکتا ہے، لیکن اس حالت میں پہلا نکاح قائم رہیگا، یہی وجہ ہے کہ جو شخص مطلقہ عورت سے گواہی طلاق زنا کی وجہ سے نکاح کرتا ہو وہ زنا کا ترکیب ہے۔

پادریوں اور عالموں کے علاوہ قانون ساز جماعتوں نے بھی اس تعلیم کو قانونی حیثیت سے قائم رکھا چنانچہ صائیف کے قرون اولیٰ میں میرہ کی قانونی مجلس نے جو مسئلہ میں منعقد ہوئی یہ دفعہ پاس کی،

اگر کوئی عورت اپنے زانی شوہر سے علحدگی اختیار کر کے دوسرا نکاح کرے تو اسکو لازمی طور پر روکنا چاہیے اس کی قانونی مجلس نے جو مسئلہ میں منعقد ہوئی یہ قانون پاس کیا،

جو جوان لوگ اپنی بی بیوں کو کوٹ پائین ان پر دوسرا نکاح حرام ہے، مجلس کی خواہش ہے کہ جب تک انکی عورتیں بقید حیات ہیں گو وہ نانیہ ہوں انکو نکاح نہ کرنے کی ترغیب دی جائے۔

اسی طرح صاحب مضمون نے نہایت کثرت سے قانونی مجلسوں کے دفعات نقل کر کے اپنے دعویٰ کو ثابت کیا ہے، ان تصریحات کے علاوہ اخلاقی اور عقلی حیثیت سے بھی اس دعویٰ کی تائید ہوتی ہے، فرض کرو کہ ایک مرد اور ایک عورت میں عاشقانہ تعلقات قائم ہیں، اور یہ تعلقات اسقدر بڑھ گئے ہیں کہ دونوں باہم نکاح پر آمادہ ہو گئے ہیں، لیکن وقت یہ ہے کہ دونوں کا پہلے سے نکاح ہو گیا ہے، اب اگر ہم زنا کو طلاق کی علت تسلیم کر لیں تو کیا ان دونوں کو اس ذریعہ سے فائدہ اٹھانے میں کوئی تامل ہوگا؟ لیکن اگر ان دونوں کو یہ یقین ہو جائے کہ اس رُوسا ہی کے بعد بھی انکو پہلے نکاح سے چٹکارا نہیں ہو سکتا تو انکی آتش شوق بجھ جائیگی، اور دونوں اپنی عصمت و عفت کا تحفظ کریں گے اور اس طرح طلاق کی عام مانعت اخلاق اور نکاح دونوں کی محافظ ہوگی۔

اسی طرح فرض کرو کہ دو سیان بی بیوں میں ناچاقی مٹی ہے، اب اگر انکو یہ معلوم ہو جائے کہ ایک صورت (زنا) ایسی ہے جو انکو اس عذاب سے نجات دلا سکتی ہے تو انکی باہمی دشمنی اور بھی ترقی کریگی، لیکن اگر انکو یہ معلوم ہو جائے کہ موت کے سوا کوئی چیز انکو اس مصیبت سے نجات نہیں دلا سکتی، تو وہ تمام کلیفون پر صبر کی عادت ڈالیں گے، ان کا بغض کم ہو جائیگا اور الفت و محبت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی کوشش کریں گے، اس طرح طلاق کی اجازت بغض و عداوت کا سبب ہوگی اور اسکی مانعت الفت اور محبت پیدا کریگی،

موسیٰ نزل بیان نے جو کسی مذہب کا پابند نہ تھا اپنی کتاب حریت مدینہ میں کس قدر سچ لکھا ہے۔

تم لوگوں نے ایک ایسا طریقہ قائم کیا ہے جو ناجائز محبت کو جائز بلکہ شرعی بناتا ہے، اور یہ طریقہ طلاق کا ہے، کیا تم کو یہ نظر نہیں آتا کہ ایک شخص جب نکاح ہو چکا ہے، طلاق کی امید پر اپنے زنا بیدہ



عشق کی آگ کو بجھا نہیں سکتا، لیکن اگر نکاح ثانی کی آزادی قائم نہ رہے تو اسکی مقصد برائی نہایت  
دشوار ہو جائیگی۔

ان دلائل کے بعد اگرچہ یہ یقینی طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ عیسائی مذہب میں طلاق کی عام  
مانعت ہے، تاہم اسی کے ساتھ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسے یقینی مسئلہ کے متعلق تمام عیسائی دنیا کیونکر  
ایک نام غلط فہمی میں مبتلا ہو گئی؟ اور غیر کیتھولک لوگوں نے کیونکر حالت زنا میں طلاق کو جائز کر لیا؟ لیکن  
اسی مسئلہ کی تخصیص نہیں، اکثر شرعی سائل کا یہ حال ہے کہ جب وہ جذبات انسانی کے موافق یا جانف  
ہوتے ہیں تو ان میں اس قسم کے تغیرات ہو جاتے ہیں، نکاح اور طلاق کا مسئلہ جذبات انسانی کی سب سے  
بڑی جولا نگاہ تھا، اسلئے دینی اغراض نے اس مسئلہ کی اصلی صورت سمجھ کر دی، اس کے ساتھ خود تنہی کی  
انجیل میں اس قسم کی آیتیں موجود ہیں جنکو اگر دوسری انجیلوں کی آیتوں سے الگ کر لیا جائے اور  
علماء نے جو تعلیم دی ہے، اور پادریوں نے انکی جو تفسیریں کی ہیں، انکو پیش نظر نہ رکھا جائے تو وہ اس  
مقصد کے لئے دلیل کا کام دیکھتی ہیں، اس بنا پر اس غلطی نے اور بھی وسعت حاصل کر لی،

تفسیر و تحریف کے ان اسباب کے ساتھ جو وقت سلاطین روم نے عیسائی مذہب قبول کیا، انوقت  
بت پرست قہمین نہایت کثرت سے ان کے ملک میں موجود تھیں، جنکا مذہب اکثر حالات میں  
طلاق کی اجازت دیتا تھا، چونکہ عام قاعدہ یہ ہے کہ کسی قوم کے رسم و رواج میں دفعۃً تبدیلی نہیں پیدا  
کی جاسکتی، اسلئے ان سلاطین نے ان قوموں کے ان شرعی معاملات میں جو انجیل کے مخالف تھے،  
نہایت تدریجی طور پر دست اندازی کی، بالخصوص طلاق و نکاح کے معاملہ میں تو اور بھی احتیاط  
مذکورہ گئی، اسلئے طلاق کے متعلق یہ بت پرستانہ رسم قائم رہ گئی، اور اقرب شامی کی بنا پر بعض  
پادریوں نے بھی اہل انکاری سے کام لیکر اسکو درست کر دیا، لیکن بائین ہمہ اگرچہ یہ رسم عیسائی ممالک  
میں جاری ہو گئی، تاہم اسکو قانونی درجہ کبھی حاصل نہیں ہوا، چنانچہ مانسل جو ایک مشہور پرنٹسٹ

قانون دان ہے، لکھتا ہے:-

کینہہ انجلیکانہ نے میان بی بی کے ایک ساتھ نہ کہا نے اور سونے کے سوا دوسرے قسم کے

طلاق کو منظور نہیں کیا، اور دوسرے نکاح کو صراحتہ حرام قرار دیا،

اس مذہبی اور تاریخی سوال کے علاوہ ایک اخلاقی اور معاشرتی سوال اور بھی پیدا ہوتا ہے،  
رض کر دکہ زید نے عنفوان شباب میں ایک نوجوان عورت سے شادی کی، اور اس عورت کو نکاح  
کے بعد دوسرے شخص سے ناجائز محبت ہو گئی، یا ایک شریف عورت نے ایک نوجوان سے نکاح کیا  
جس نے اس سے منافقانہ محبت کا اظہار کیا، حالانکہ درحقیقت اسکو اس سے محبت نہ تھی، بلکہ  
اس نے عورت کی مال و دولت کی طمع سے ایسا کیا تھا، چنانچہ جب وہ عورت کے مال متاع پر قابض  
ہو چکا تو اس نے اس سے عملاً علیحدگی اختیار کر لی، تو کیا عدل و انصاف کا یہ اقتضار ہے کہ اس  
ناگوار حالت میں یہ دونوں مرد اور عورت ہمیشہ کے لئے ناگوار زندگی بسر کر لینے کا فیصلہ کر لیں؟ کیا  
اس حالت میں دونوں کے دل میں ناجائز خواہشیں نہ پیدا ہو گئی؟ اور اگر ہو گئی تو کیا یہ مناسب  
نہیں ہے کہ شریعت انکو طلاق کا اختیار دیدے تاکہ وہ دوسرا نکاح کر کے جائز طور پر اپنی خواہشیں  
پوری کر سکیں؟

یہ سوال بے شبہ نہایت واضح اور قوی ہے، لیکن اس کے جواب سے پہلے ہم کو یہ بتا دینا چاہیے کہ  
نکاح کا معاملہ نہایت اہم ہے، اسلئے انسان کو اس معاملہ میں سب سے زیادہ غور و فکر و محبت و تحقیق اور  
جانچ پڑتال کرنی چاہیے، اگر اس قسم کے ناگوار واقعات میان بی بی کی سہل انگاری، بے پردائی اور  
بد تدبیری سے پیش آئے ہیں، تو ہمیں شریعت کا کیا قصور ہے؟ یہ خود انسان کی غلطی ہے اور اسکو اپنی  
غلطی کا خمیازہ اٹھانا چاہیے، البتہ بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو کافی غور و فکر اور حزم و احتیاط کے  
بعد نکاح کرتے ہیں، اور بائین ہمہ انکو بعض اوقات اس قسم کے ناگوار واقعات سے دوچار ہونا پڑتا ہے،



اس سوال کا اصلی تعلق اپنی لوگوں کے ساتھ ہے اور درحقیقت انکی یہ مصیبت ہمدردی کی مستحق ہے لیکن با این ہمہ یہ ایک خاص مصیبت ہے، اور عام نقصان کے مقابل میں خاص خاص اشخاص کو نقصانات قابل لحاظ نہیں ہوتے، صرف شریعت ہی کی تخصیص نہیں بلکہ عام تمدنی قانون میں بھی اس اصول کا لحاظ رکھا جاتا ہے، مثلاً حکومت عام فائدہ کے لئے جب کوئی قانون نافذ کرتی ہے اور اس سے خاص خاص اشخاص کو نقصان پہنچتا ہے تو نفع عام کے لئے وہ لوگ مجبوراً اس نقصان کو نہایت صبر و استقلال سے برداشت کرتے ہیں اسلئے طلاق کا بھی یہی حال ہے، اگر حالت زنا میں طلاق کی اجازت دیدی جائے تو سیکڑوں مرد و عورت ناجائز عاشقانہ تعلقات کی بنا پر اس سے فائدہ اٹھائیں گے، جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ اخلاقی اور معاشرتی نظام کا شیرازہ دفعتاً برہم ہو جائیگا، آج ولایات امریکہ کے پریسڈنٹ کو طلاق کی کثرت نے سخت پریشان کر رکھا ہے، اور اسکے اثر سے نسل انسانی میں کمی ہو رہی ہے، وہ اسکے رد کرنے کی تدبیریں کر رہے ہیں، لیکن انجیل مقدس نے جو حکم دیدیا ہے اسکے کوئی تدبیر نہیں ہے، اس بنا پر اگر اس قسم کے ناگوار واقعات پیش آئیں تو ان میں اس دائمی غلطی کے جوہر جسکا انجیل نے حکم دیا ہے اور کوئی علاج نہیں، خود تمدنی قانون کے رُوسے سپاہیوں کو نکاح سے روکا جاتا ہے، یا ان کو بی بیوں سے جدا کر کے لڑائی میں بھیجا جاتا ہے، ایک مجرم بھی حالت قید میں اپنی بی بی سے علیحدہ رہتا ہے، اور ان حالتوں میں قانون پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاتا، اسی طرح اگر شریعت نفع عام کے لئے ایک حکم دیا ہے، اور بعض لوگوں کو اس سے نقصانات پہنچتے ہیں تو شریعت پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا،

پادری موصوف نے اس مسئلہ پر جو مضمون لکھا ہے، یہ اسکا خلاصہ ہے، لیکن درحقیقت یہ جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہوا ہے وہ خود عیسائی مذہب کی غیر متدل تعلیم کا نتیجہ ہے، نکاح کلیسا کا ایک مقدس راز ہے، لیکن با این ہمہ زن و شوکر کی اجتماعی زندگی میں بہت تلخ و ناگوار واقعات ایسے پیش آتے ہیں جنہیں

طلاق ایک ناگوار چیز ہوتی ہے، لیکن عیسائی مذہب میں طلاق کلیتہً ناجائز تھی، اسلئے بعض فرقوں نے انجیل کی جہم آئین کا سہارا ڈھونڈ کر ان ناگوار حالات میں صرف زنا کی حالت میں طلاق کی اجازت دیدی، لیکن جب یہ دروازہ کھل گیا تو جدید تمدن نے اسکو اور وسیع کر دیا، اور چونکہ ہر قسم کے ناگوار معاشرتی واقعات کی صورت میں صرف یہی ایک الزام عیسائیوں میں جواز طلاق کی قانونی اور شرعی صورت تھی، اس لئے عدالتوں میں اس کثرت سے اس شرناک طلاق کے متعلق مقدمات دائر ہوئے کہ تمام عیسائی دنیا کی گردنیں جھک گئیں، اور مدبران ملک ملک اس حالت سے گھبرا گئے، پادری موصوف نے اس مضمون کے ذریعہ سے اپنی شرناک مقدمات کا سد باب کرنا چاہا ہے، لیکن واقعات ثابت کر رہے ہیں کہ انکی یہ کوشش ناکامیاب رہی ہے، اور درحقیقت جو تعلیم تمدن و معاشرت کے خلاف دیکھی کامیاب نہیں ہو سکتی،

حقیقت یہ ہے کہ طلاق اس فساد معاشرت کا علاج ہے جسکے روک تھام کے لئے انسان کے اہلہ میں کوئی دوسری تدبیر نہیں، سوال یہ ہے کہ اگر عیسائی طلاق کا صرف یہی مفہوم ہے کہ بیوی کی بے وفائی کی حالت میں زن و شوکر میں دائمی تفریق کر دی جائے، اور بطور سزا کے ان میں سے کسی کو دوسرے نکاح کی اجازت نہ دی جائے تو ایسی حالت میں پہلے تو یہ بتانا چاہیے کہ مرد کو کس جرم کی پاداش میں یہ سزا ملتی ہے، اور دوسرے یہ کہ عورت کی جس اخلاقی بے وفائی کو روکنے کے لئے آئندہ نکاح کی ممانعت کے ساتھ زن و شوکر دائمی مفارقت کی تدبیر اختیار کی گئی ہے آیا اس سے اس بد اخلاقی کا انسداد ہوگا، یا اس سے بڑی زیادہ انسانی سوسائٹی کی بد اخلاقیوں کے اعداد و شمار میں ترقی ہو جائیگی۔



## اورینٹل کانفرنس

### کا گذشتہ جلسہ کلکتہ

از جناب مولوی محفوظ الحق صاحب بی۔ اے

گذشتہ جنوری سلسلہ کی آخری تاریخوں میں مجلس مشرقین ہند، اکابر اجلاس کلکتہ میں منعقد ہوا۔ رسائل کو چھوڑ کر اخبارات تک میں بھی اسکا تذکرہ برائے نام ہی آیا، حالانکہ اسکی اہمیت ہر خاص و عام کی توجہ کی محتاج تھی، اہم نے اس اجلاس کی محل کاروائی اخبار علیہ کے تحت بین لکھی ہے، اگر ہر حال وہ نقل ہے، اس بنا پر ہم مولوی محمد محفوظ الحق صاحب کے شکوہ میں کہ انھوں نے کانفرنس کے چند حالات لکھ کر بہین منایت کے بہین، ولسن انجنر کالین،

ہندوستان کی شہور اورینٹل کانفرنس جکا پہلا جلسہ پونا میں سر آر جی بھنڈارکر کے زیر صدارت منعقد ہوا تھا، اس سال جنوری کے آخری ہفتہ میں کلکتہ میں منعقد ہوئی، کلکتہ یونیورسٹی کے پھل ولسن چانسلر سر اسٹوش کرجی نے اس کانفرنس کو مدعو کیا تھا، اور بہین کے ایما پر اسکا جلسہ یونیورسٹی کی عمارت میں منعقد ہوا، ہندوستان کے اکثر مشرقی ایمین موجود تھے، اور مختلف صوبوں، ریاستوں اور علمی انجمنوں نے اپنے نمائندے بھیجے تھے، جہاں تک معلوم ہوا ڈائی سوڈیلیٹی کے قریب شریک ہوئے، اور ان میں مسلمانوں کی تعداد چالیس کے قریب تھی۔

پہلا اجلاس ۲۸ جنوری سلسلہ کو اسبجے دن کے شروع ہوا، لارڈ رولڈ نے گورنر بنگال نے بیعت سرپرست کے اپنی طویل تقریر سے اس کانفرنس کا افتتاح کیا، جس میں کانفرنس کے کارناموں کو

سرا اور پیر اسید دلائی کہ آگے چل کر یہ کانفرنس مشرق و مغرب کا سنگم ہوگی، اس کے بعد سر اسٹوش کرجی نے تقریر پڑائی اور بحیثیت صدر مجلس استقبالیہ ایک طویل لیکن پرمغز تقریر کی، انہوں نے مختلف مشرقی علوم و فنون کو دیا، اور ان شعبوں میں جن مشرقوں نے کارہائے نمایان انجام دیئے ہیں، اسکی تریف کی، اور آخرین میں امر پندور دیا کہ ابھی تحقیق کی بہت ضرورت ہے، اور جب تک کہ ہندوستانی مشرق جدید علمی تحقیقات سے کام نہ لیں گے اسوقت تک وہ خاطر خواہ کامیابی نہیں حاصل کر سکتے، اس تقریر کے بعد صدر کا انتخاب ہوا، اور حسب اسید شہور فرانسیسی مشرق اور ماہر علوم ہند ڈاکٹر سلین یوی کرسی صدارت پر بیٹھے، اور اپنا مختصر خطبہ صدارت پڑھا، اسکی تقریر کے بعد افتتاحی کاروائی ایک بجے دن کو ختم ہوئی،

دن کے ڈھائی بجے کلکتہ کے شہور رئیس رائے بہادر سنی لال تاہرنے ڈیلیکٹون کو اپنے گھر پر مدعو کیا تھا، وہاں سامان دعوت کے علاوہ علمی ضیافت کا بھی نہایت عمدہ سامان تھا، رائے بہادر موصوف نے اپنے علمی ذخائر کو نمائش کے لئے پیش کیا تھا، جن میں عہد مغلیہ کی علمی تصویریں بہت نمایان تھیں، اور بعض تاریخی نقطہ نظر سے خاص طور پر پچپ تھیں، ان تصاویر کے علاوہ غیاث الدین قلنق، فیروز قلنق اور دیگر سلاطین ہند کے طلائی اور نقرئی سکون کا بھی کافی ذخیرہ تھا، اس کے علاوہ بہین ست کی بہت سی قلمی کتابیں بہین، پرانے بکے تھے، اسوکا کے عہد کی سورتیں بہین اور نقاشی و صنایع کے بعض جدید نمونے تھے،

شام کے وقت بنگلہ زبان کی علمی سوسائٹی نے ہمانوں کو اپنے ہاں مدعو کیا، اور قلمی بنگلہ کتابوں کو نمائش کے لئے پیش کیا۔

دوسرے دن کی کاروائی اسطرح شروع ہوئی کہ کانفرنس کو مختلف شعبوں میں تقسیم کر دیا گیا اور ہر شعبہ کا جلسہ ایک جدا صدارت کے تحت مختلف کمروں میں علاوہ علاوہ ہوا، اور اس دن علم الاقوام،



۱۲) اسکندر اعظم کے ہاتھوں قدیم ایرانی لٹریچر کی تباہی۔  
۱۳) پارسى روايتين فارسى مين

افسوس ہے کہ ہر مضمون کے پڑھنے کے لئے صرف دس منٹ کا وقت دیا جاتا تھا، اور پانچ منٹ بحث و مباحثہ کے لئے، اس لئے اس کم وقت میں ان طویل مضامین کا اقتباس بھی انہیں پیش کیا جاسکتا تھا، بہر کیف! یہ مضامین جب کانفرنس کی رپورٹ میں شائع ہو گئے تو یقیناً ہے کہ خاص دلچسپی سے پڑھے جائیں گے۔ حق تو یہ ہے کہ اس شعبہ کے روح وران صرف دو شخص تھے، ایک تو ڈاکٹر امودی اور دوسرے ڈاکٹر شمارا پور دالا، شکر ہے کہ اس شعبہ میں مسلمانوں کی تعداد کافی تھی اور انہوں نے اس سے واقعی اپنی دلچسپی کا اظہار کیا،

اسکے ساتھ ساتھ دوسرے کمرون میں علم الاقوام اور سنسکرت و پراکرت لٹریچر کے جلسے ہوئے، اول الذکر شعبہ میں چودہ اور آخر الذکر میں سترہ مضامین پڑھے گئے، اور حسب امید دونوں شعبوں میں مسلمانوں کا نام نثار دہتا۔

تیسرے دن کی کاروائی بھی دس بجے سے شروع ہوئی، اور آرکیٹالوجیکل سکشن (شعبہ آثار قدیمہ) کا جلسہ آج بھی کامیاب رہا، آج جو مضامین پڑھے گئے وہ ہمارے نقطہ نظر سے کسی خاص دلچسپی کے نہ تھے، صرف ایک مضمون جو سٹراسمان نے پڑھا اور جمین انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ دیوناگری حروف عربی سے اخذ ہیں بڑی دلچسپی سے سنا گیا، اور اسپر بختین بھی خوب بہین سٹراسمان نے ایک نقشہ بھی پیش کیا جمین انہوں نے یہ دکھایا تھا کہ کس طرح عربی خطوط نسخ کر کے دیوناگری بنائے گئے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ اس نقشہ کو دیکھ کر اور ان کے دلائل کو سن کر اکثر لوگوں کو سٹراسمان کے دعویٰ کا یقین ہو گیا، اور اگرچہ بعض قدماست پرست ہندو حضرات نے ان پر نہایت سخت اعتراضات بھی کئے، لیکن سٹراسمان نے جو بین دلائل پیش کئے، ان کے مقابلہ میں وہ اعتراضات بہت پست تھے، افسوس ہے کہ

سنسکرت و پراکرت ویدک ویرانین اور آرکیٹالوجیکل سکشن کے جلسے ہوئے، آخر الذکر شعبہ کا جلسہ بہت کامیاب رہا، لیکن افسوس ہے کہ ان ۲۲ مضامین میں جو اس جلسہ میں پڑھے گئے، ایک مضمون بھی کسی مسلمان کے قلم سے نہ تھا اور نہ کسی مسلمان نے اس شعبہ کی کاروائیوں میں کوئی حصہ لیا، حالانکہ بعض مسلمان ماہر آثار قدیمہ اس جلسہ میں موجود تھے، اور وہ یقیناً بول سکتے تھے، لیکن حیرت یہ ہے کہ وہ برابر خاموش رہے، اور گو اس امر پر بحث بھی ہے کہ مسلمانوں سے پہلے ہندوستان میں گنبد کاروانج تھا یا نہیں، لیکن اسپر بھی ان حضرات کا سکوت برابر قائم رہا، اور وہ گویا ہنوسے، اس بحث کی ابتدا سٹر جیووال دیر سٹریٹ کے ایک مضمون سے ہوئی جمین انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ گنبد کاروانج قدیم ہندوستان میں تھا، اور یہ خیال کہ یہ اسلامی یادگار ہے غلط ہے، اپنے دعویٰ کے ثبوت میں سٹر جیووال نے اپنے ایک جدید انکشاف کا حال بتایا جو بڑی دلچسپی سے سنا گیا، لیکن کثیرہ پنجاب کے بعض ہندو ماہرین آثار قدیمہ نے اعتراضات کئے، اور ان کے نظریہ کو غلط ٹھرانے کی کوشش کی لیکن سٹر جیووال کی تیز زبانی کے آگے انکی بات نہ بنی اور جلسہ پر سٹر جیووال کی کامیابی کا اثر چھایا رہا۔

ویدک اور ایرانین زبانیں اور علوم چونکہ ایک حد تک متحد ہیں، اس لئے انکے جلسے بیک وقت ایک ہی کمرو میں ہوئے اول الذکر کے صدر ڈاکٹر بلوار کرتھے، اور آخر الذکر شعبہ کی صدارت بمبئی کے فاضل مشرقی شمس العلماء ڈاکٹر جمین جی جیشہ جی پی، ایچ ڈی، سی ای، ای نے فرمائی، آخر الذکر سکشن میں چھ مضامین آئے تھے لیکن ان میں سے دو نہیں پڑھے جاسکے، بقیہ مضامین زیادہ تر قدیم پارسی لٹریچر اور خیال دہی سے متعلق تھے، اس لئے عام دلچسپی کے نہ تھے، البتہ ذیل کے مضامین خاص توجہ سے سنے گئے:-

(۱) کرنا اور اسکے متعلق ایرانی خیال۔  
۲) شمس العلماء ڈاکٹر امودی،



میں عجلت میں سرسراہ کے نقشہ کی نقل نہ لے سکا، لیکن اگر موقع ملا تو انشا اللہ اسکی ایک نقل ناظرین معارف کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔

آج سیاسی تاج، اجتماعی تاریخی شعبہ اور فلسفہ و مذہب سکشن کے جلسے بھی ہوئے اور بہت کامیاب رہے، لیکن مسلمانوں کا فقدان ہر جگہ تھا، یہ چیزیں ایسی ہیں جنکے متعلق ہمارے مسلمان اہل قلم، قلم اٹھا سکتے تھے، لیکن انوس ہے کہ کسی نے یہ زحمت گوارا نہ کی اور یہ جلسے انکی عدم توجہی کے شاہد رہے،

شام کے وقت ڈیلیکٹون کوانڈین سوسائٹی آف اورینٹل آرٹ کی نمائش میں مدعو کیا گیا تھا، بیان زمانہ حال کے تمام نقاشوں کے ہاتھ کی تصویریں موجود تھیں، لیکن بنگالی عنصر غالب تھا، واقعہ یہ ہے کہ ڈاکٹر ابندرانما تہہ مگور اور گلندرانا تہہ مگور نے نقاشی کا جو قومی اسکول قائم کیا ہے اسکا پایہ اب بہت بلند ہو گیا ہے، اور یورپین ماہروں کی نظریں بھی اس پر پڑنے لگی ہیں، اس نمائش میں ڈاکٹر مگور کے ہاتھ کی بہت سی تصویریں تھیں، بنگالہ آنکے اورنگ زیب کی ایک تصویر بھی تھی جو سٹریٹس پی آر داس (پٹنہ) کے ہاتھ ڈالی ہزار روپیہ کو بک چکی تھی، اس کے علاوہ زیب النساء، شیخ سعدی اور زیب النساء کی تصویریں جو اسی نقاش کے دماغ و قلم کا نتیجہ نہیں نہایت اعلیٰ تھیں انکے علاوہ عمر خیام کی بعض رباعیوں کو بہت سے نقاشوں نے تصویر کا جاسہ پینا یا تھا، اور گوان میں یورپین نقاشی کا اثر ایک حد تک موجود تھا، لیکن مشرقی رنگ بھی کچھ کم شوخ نہ تھا، اس سال کی نمائش میں اکثر نقاشوں نے اپنی ہاتھ کی تصویریں بھی تھیں، اور ان میں دس بنگالی خواتین بھی تھیں، لیکن اس طویل فہرست میں میں صرف دو مسلمان نظر آئے، ایک تو لاہور کے شہور آرٹسٹ عبدالرحمن

پختائی اور دوسرے گلشن کے سمیع الزمان، اول الذکر نے اپنی بہت سی تصویریں بھی تھیں، اور واقعہ یہ ہے کہ ڈاکٹر مگور کے ہاتھ تھیں، ایک تصویر میں شاہجہان کی آخری گھڑیوں کا منظر پیش

کیا گیا تھا، اور چکی قیمت پندرہ سو روپیہ تھی، واقعہ یہ ہے کہ نقاشی کا اعلیٰ نمونہ تھی، لیکن اور تصویریں بھی جن میں عشق کے مناظر، یا جذبات و حیات کی کیفیات پیش کی گئی تھیں، اپنے رنگ میں خالی اور قابل تعریف تھیں، لیکن اسکے برخلاف سمیع الزمان کی تصویریں ہموی تھیں صرف "شکار گاہ" کا ایک منظر البتہ دلچسپ تھا، لیکن وہ بھی کسی نعل تصویر کا چرہ بہ معلوم ہوتا تھا۔

بیان فرام ہے، وہ ہر طرح قابل تعریف ہے، صرف عہد منلیہ کی قلمی تصویروں کو اگر دیکھا جائے، اور ان کے متعلق کچھ لکھا جائے تو وہ ایک دفتر ہو جائے، بیان مختلف عہدوں کے جو اسکے فراہم کئے گئے ہیں وہ ہندوستان کے کسی اور عجائب خانہ میں آپ کو نہ ملین گے، ان سکون کی فہرست چھپر شائع ہو چکی ہے، اور اسلامی سلاطین ہند کے سکون کی فہرست میں روپیہ کو مل سکتی ہے، جو لوگ مسلمان سلاطین ہند کے سکون کے متعلق تحقیق کر رہے ہیں وہ اس فہرست سے بہت کچھ فائدہ حاصل کر سکتے ہیں اور بعض شبہ باتوں کے متعلق اس شعبہ سے خط و کتابت بھی کر سکتے ہیں،

شب کے وقت ہر اکسلنسی گورنر بنگال کے بیان کالفرنس کے مہانوں کی دعوت تھی بیان مگور کے شوکیل پوسٹ آفس کا تماشہ دیکھا گیا جو خاص دلچسپی سے دیکھا گیا۔

چوتھے دن کی کاروائی بھی دس بجے شروع ہوئی، کل کے بعض ناتمام جلسے آج ہوئے اسکے علاوہ بدھ، سائنس، قدیم جغرافیہ اور علم اللسان کے شعبوں کے جلسے بھی ہوئے، اول الذکر تین شعبوں میں مسلمانوں کا نام صفر تھا، حرف آخر الذکر سکشن میں ایک مسلمان سنکرت دان مولوی محمد شہید اللہ ایم اے بی اے ال نے سنکرت فیلاوجی کے متعلق دو مضمون پڑھے۔

آج ہی غریبی و فاقہ سی شعبہ کا بھی جلسہ تھا، لیکن ہماری بدبختی دیکھیے کہ اسکی صدارت کے لئے اباب مل و عقد نے چاہا بھی تو ایک انگریز کو، یعنی لفٹنٹ کرنل ڈاکٹر ریننگ کیا کالفرنس والوں کی



نظر مشہور فضلاء و ڈاکٹر عبداللہ المامون ہمدردی، ڈاکٹر اقبال یا ڈاکٹر عبداللہ الشارعی (ص) جامعہ عثمانیہ پر پڑھ پڑی یا انھوں نے عمداً ایسا نہیں کیا، اس وقت ہمیں ڈاکٹر رینگنگ کی قابلیت سے بحث نہیں بلکہ اختلاف اس اصول سے ہے جسکی بنا پر ان کا انتخاب عمل میں آیا، آپ مختلف شعبوں کے صدور و ن کی فہرست اٹھا کر دیکھ جائیے ہر جگہ آپ کو ہندوستانی نام نظر آئیگا لیکن عربی و فارسی کے ساتھ یہ خصوصیت اس امر کا ثبوت ہے کہ کافر نس ہلوگون کو اس لائق بھی نہیں سمجھتی کہ ایک مسلمان کرسی صدارت پر بیٹھے یا اپنے علوم و فنون کے متعلق تو کم از کم اپنی رائے کا اظہار کرے بہر کیف یہ نظارہ عبرت تھا، اور واقعی ہر دیکھنے والے کو حیرت مخی کہ دروازہ پر تو لکھا ہے عربی و فارسی سکشن اور اسکی صدارت کر رہا ہے ایک انگریز، اور یقیناً دیکھنے والے یہی سمجھتے ہوئے کہ اسلامی علوم و فنون کی نسبت اب یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ کوئی مسلمان اس شعبہ کی بھی صدارت کا اہل نہیں سمجھا جاتا، افسوس!

بہر حال عربی و فارسی شعبہ میں کل آٹھ مضامین آئے تھے جنہیں سے دو ہندوؤں کے قلم سے ایک پارسی نے کہا تھا اور ایک انگریز نے، بقیہ چار مسلمانوں کے قلم سے تھے، چونکہ یہ مضامین خاص دلچسپی کے ہیں اسلئے میں انکے متعلق ذرا وضاحت سے لکھتا ہوں:-

پہلا مضمون مصلح الدین خدابخش برسر ایش لا دین بولوی خدابخش خان مرحوم ہانکی پورہ کا تھا، جنہیں انہوں نے "اسلام کے عالم نو" پر ایک دلچسپ بحث کی تھی، اور اسلام کے لئے ایک شاندار مستقبل کی امید دلائی تھی، مصلح الدین ان چند لوگوں میں ہیں جسکی انگریزی تحریر قابل شک و ادق ہے کہ جس انداز سے انھوں نے اپنا مضمون پڑھا وہ قابل تعریف تھا، یہ مضمون یورپ کے ایک رسالہ میں چھپ کر عنقریب شائع ہوگا اور امید ہے کہ عالم اسلام میں خاص دلچسپی سے پڑھا جائیگا۔

دوسرا مضمون میو ریو ریوٹی کے ایرانی پروفیسر مسٹر عباس شوستر می نے "تصوف کی تاریخ پر" پڑھا، انہیں بعض نئی باتیں تھیں لیکن چند امور قابل اعتراض بھی تھے، مثلاً ان کا یہ خیال کہ تصوف کی تاریخ ولادت مسیح کے قبل سے ڈھونڈنی ہوگی وغیرہ،

تیسرا مضمون بمبئی کے نائل مشرق شمس العلماء ڈاکٹر جیون جی جمشید جی نے پڑھا جسکا موضوع تھا "فارسی شاعر حافظ کا اثر جرجن شاعر گیلے پر" یہ مضمون نہایت دلچسپی سے سنا گیا، نائل مضمون نگار نے گیلے اور حافظ کے کلام کا انتخاب پیش کر کے دکھایا کہ اول الذکر نے آخر الذکر کے خیالات اور مضامین کطرح افذ کر کے اپنے کر لئے ہیں، اسکے علاوہ انہوں نے بتایا کہ گیلے کے مجموعہ کلام کا نام "دیوان" ہے اس نے حافظ کو اچھی طرح پڑھا اور اسکو خوب سمجھا تھا اسلئے وہ بھی اسی رنگ میں رنگ گیا، اور شراب رانی، برم، عشق، وصل، ہجر وغیرہ کے متعلق نظمیں لکھنے لگا، پھر انہوں نے کہا حق تو ہے کہ حافظ کی روح گیلے کے کلام میں موجود ہے، یہ مضمون نہایت فاضلانہ ہے، اور اس لائق ہے کہ جلد سے جلد چھاپ کر شائع کیا جائے۔

چوتھا مضمون مسٹر ساہا کا تھا، ان کا موضوع تھا "امریکہ کے انکشاف کی شہادت قرآن شریف سے"۔ اس مضمون کے متعلق شروع ہی سے چھ سیکڑیاں ہو رہی تھیں، اور لوگوں کو اسکے سننے کا بجد اشتیاق بھی تھا، چنانچہ جب ڈاکٹر ساہا آئے تو تالیفوں سے ان کا استقبال کیا گیا، انھوں نے اپنا مضمون شروع کیا اور قرآن شریف کی مختلف آیتوں سے اپنے دعویٰ کا ثبوت پیش کیا لیکن اندیش ہے کہ وہ اسکو ختم نہ کر سکے، اور وہ آخری ٹکرا جو مضمون کی جان تھا اور جنہیں انھوں نے عام شہادتوں کو اکٹھا کر کے اس سے نتائج مستنبط کئے تھے، ناتمام رہ گیا، اور اس طرح لوگوں کا اشتیاق پورا ہونے کا این اس مضمون کے چھل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں اگر مل گیا تو انشاء اللہ مکتبہ معارف کے لئے پیش کر دوں گا۔



باتی رہ گئے تھے وہ تمام کئے گئے، تین بجے ایک عام جلسہ ہوا اور منجملہ اور امور کے یہ تجویز بھی پاس ہوئی کہ سنکرت و عربی کی طرح گورنمنٹ فارسی کے لئے بھی انسٹیٹ اسکالرشپ یورپ جانے کے لئے دے، اس تجویز کی تحریک ڈاکٹر عبد الستار صدیقی (حیدر آباد) نے، اور تائبہ ڈاکٹر تارا پور دالاسے کی جواباً اتفاق منظور ہوئی،

شام کے وقت مولوی عبد الحق صاحب بی، اے سکریٹری انجمن ترقی اردو حیدر آباد دکن کی تقریر ”زبان اردو“ پر کلمتہ کے مشور سلم انسٹیٹیوٹ میں ہوئی، اس جلسہ کی صدارت نواب نصیر حسین خان خیال نے فرمائی، شب کے وقت ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کا سادہ جلسہ ہوا، ڈیلیکٹ میاں بھی مدعو تھے، منجملہ اور کمیون کے عربی و فارسی قلمی کتابوں کی نمائش بھی تھی، جو کتابیں آج نمائش کے لئے پیش کی گئیں وہ زیادہ تر مخطوطات اور مذہب تہیں، بعض بالخصوص عربی تہیں، اور اکثر خط نسخ و نستعلیق کا بہترین نمونہ تہیں، دہان قرآن شریف کا ایک قلمی نسخہ بھی تھا، چہرے سونے کا نہایت خوبصورت کام تھا، اور نیل بوٹوں کے علاوہ آئین بھی سونے سے لکھی گئی تہیں، نقاشی اور صناعی کے نمونہ کے علاوہ بعض کتابیں قدامت میں پانچواں ہینن رکھتی تہیں، اور بعض پر مشہور سلاطین مغلیہ یا اس عہد کے علماء و امرا کے دستخط بھی ثبت تھے، غرض یہ ہے کہ یہ نمائش نہایت اعلیٰ تھی، اور اس کے لئے ہینن سوسائٹی کے فیلا، جیکل سکریٹری ڈاکٹر عبد اللہ المامون ہمدردی کا (جو اس عہدہ پر پہلے ہندوستانی ہینن) ممنون ہونا چاہیئے،

ایشیاٹک سوسائٹی کا جلسہ کالفرنس کا آخری پروگرام تھا، اور اس کے بعد یہ کالفرنس ختم ہوئی اور واقعہ یہ ہے کہ نہایت کامیاب رہی، اور خصوصاً ایسے موقع پر جبکہ سیاسی مصلح استدر گرد آلود ہو رہا ہے، ایسی کسی کالفرنس کا منعقد ہونا اور اسے مستشرقین کا اکٹھا ہونا ہر طرح لائق تحسین ہے، یہ کالفرنس صرف ہندوستان کے لئے بہترین دہانوں کی علمی تحقیقات و انکشافات کے اظہار کا ذریعہ ہوئی بلکہ مختلف صوبوں کے عالمون اور محققون درمیان تبادلہ خیالات کا بھی آلہ ہوئی، اور ایک نہایت اہم کام تھا جو اس کالفرنس نے انجام دیا۔

پانچواں مضمون جناب حافظ نذیر احمد صاحب (ایشیاٹک سوسائٹی بنگال) کا عبد الرحیم خانخانان کے کتب خانہ پر تھا، چونکہ حافظ صاحب موصوف ہندوستان کے اکثر کتب خانوں کی سرچ کر چکے ہیں، اسلئے انھوں نے ان کتابوں کی بھی فہرست پیش کی ہے جو پہلے خانخانان کے کتب خانہ میں تھیں، لیکن اب ہندوستان کے متفرق کتب خانوں میں منتشر ہیں، اور جو حافظ صاحب موصوف کی نظر سے گذر چکی ہیں، اگر حافظ صاحب اس مضمون کو اردو میں شائع کر دیں تو خاص دلچسپی سے پڑھا جائے۔

چھٹا مضمون مولوی عبد الطیف صاحب (رواٹا کالج کلکتہ) کا تھا، جنہیں انھوں نے ہندوستانی یونیورسٹیوں کی عربی و فارسی تعلیم پر تنقید کی تھی، یہ مضمون ایسا ہے جس سے ہماری یونیورسٹیاں بہت کچھ سیکھ سکتی ہیں،

ساتواں مضمون علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے عربی پروفیسر (جنکا نام غالباً ڈاکٹر تھورٹن ہے) کا تھا، جنہیں انھوں نے یمن کے چند حالات بیان کئے تھے، اور اہل یمن کے حالات اور رسوم و رواج کے علاوہ ان کے بعض عقاید پر روشنی ڈالی تھی جو واقعی حیرت انگیز تھے،

آٹھواں مضمون (جدید شائع شدہ) ”حیات شیر شاہ“ (انگریزی) کے نوجوان مصنف پروفیسر تاننگو کا ”عہد ہمایون کے جاؤں“ پر تھا، لیکن انکی عدم موجودگی کے سبب پڑھا نہ جاسکا، اگرچہ حیرت ہے کہ تاریخی شبہ کو چھوڑ کر اس مضمون کو عربی و فارسی شعبہ میں کس طرح داخل کر دیا گیا۔

آج کا جلسہ ایک بجے ختم ہوا، اور عصر کے وقت کلمتہ کی مشہور عمارت و کٹوریہ میموریل کی سیر ہوئی، اور دہان کی دلچسپ چیزوں کے دیکھنے کا موقع ملا، میان عربی و فارسی کی نایاب قلمی کتابوں کا بھی ذخیرہ ہے، اور انشا اللہ ان کا تفصیلی حال کسی اور موقع پر بیان کر دینگا، شام کے وقت ہندوستانی موسیقی سے ہماؤن کو سرد کر دیا گیا اور شب کے وقت سنکرت ڈراما دکھایا گیا،

پانچویں دن کی کاروائی بھی دس بجے سے شروع ہوئی اور مختلف شعبوں میں جو مضامین



## مختصر تحریک

### یونیورسٹیوں کی کانگریس

یونیورسٹیوں کی کانگریس جو سال گذشتہ آکسفورڈ میں منعقد ہوئی تھی، اور جس کا مختصر تذکرہ اس سے پیشتر بھی ان صفحات میں آچکا ہے، اس نمبر میں اس کے حالات کی قدر زیادہ تفصیل سے درج کئے جاتے ہیں، یاد ہو گا کہ اس کانگریس میں ہندوستانی یونیورسٹیوں کے نمائندہ بھی بڑی تعداد میں شریک تھے ان میں ایک صاحب، ڈاکٹر آرکھارٹ ایم، اے، ڈی، ایل، پروفیسر کالٹس چرچ کالج کلکتہ، یونیورسٹی کے نمائندوں میں شامل تھے، انھوں نے کلکتہ ریپورٹ کے صفحات میں اس کانگریس کی مفصل و دلچسپ روداد شائع کی ہے، ذیل میں اس کے اہم مطالب کی تلخیص درج کی جاتی ہے:-

انجمن اقوام (لیگ آف نیشن) تو ہیمنوں برسوں سے پرہیز کے لئے اپنے بازو ہی تولی ہی ہے لیکن برطانوی یونیورسٹیاں اس اشار میں میدان عمل میں اتر آئیں، دنیا کے شیرازہ اتحاد کے مرتب کرنے میں وہ جو کچھ کر سکتی ہیں، اظاہر ہے، اور یہ احساس انکی کانگریس کے اجلاس منعقدہ آکسفورڈ میں ہر موقع پر موجود رہا۔

کانگریس پوری طرح یونیورسٹیوں کی نیابت کر رہی تھی، مملکت برطانیہ کے ہر گوشہ سے نمائندے آئے تھے جنکی مجموعی تعداد تقریباً ۳۰ تھی مختلف یونیورسٹیوں کے چانسلر، وائس چانسلر، پروفیسر، پرنسپل، پریسیڈنٹ حضرات کے علاوہ عام ارکان بھی کافی تعداد میں شریک تھے، جیسا کہ ہر ایسے موقع پر قدرہ ہوتا ہے، دور دراز مقامات سے آنے والے بمقابلہ گھروالوں کے کام میں زیادہ سنجیدگی کے ساتھ مہمک نظر

آتے تھے، آکسفورڈ والوں نے میزبانی کے انتظامات اعلیٰ پیمانہ پر کئے تھے جو ہر طرح مکمل تھے، اور جلسہ کے کامیاب بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا، باہر والوں میں گلاسگو کے سر ڈائمنڈیک اسٹر کی سرگرمی خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

کلکتہ یونیورسٹی کے ہندوستانی نمائندہ بہ لحاظ تعداد و نیز باعتبار علم و فن ایک خاص امتیاز رکھتے تھے، کانگریس کے مباحثوں میں ان حضرات نے بالخصوص، اور ہندوستانی یونیورسٹیوں کے نمائندوں نے بالعموم ایک نمایاں حصہ لیا، اور انکی تقریریں کامیاب خیال کی گئیں،

کانگریس کے ارکان ایک دوسرے کے لئے بالکل اجنبی نہ تھے، ۱۹۱۲ء میں جو کانگریس ہوئی تھی اس میں یہ طے پایا تھا کہ ایک مستقل محکمہ اس غرض کے لئے قائم کر دیا جائے، چنانچہ یہ محکمہ قائم ہو گیا تھا، اسکی باضابطہ ریسٹری ہو چکی تھی، اور یہ ان چند برسوں کی مدت میں برابر اپنا کام کرتا رہا، اور یونیورسٹیوں میں باہم رشتہ واقفیت و معلومات، اتحاد و ارتباط پیدا کرتا رہا۔

پروگرام (نقشہ عمل) میں علاوہ آکسفورڈ کے برطانیہ و آئرلینڈ کی دوسری یونیورسٹیوں کا معائنہ بھی شامل تھا، چنانچہ انعقاد جلسہ سے پیشتر ہی بہت سے ارکان، وائز آئرلینڈ، اور خاص لندن یونیورسٹی کا سامنے کر چکے تھے، ہندوستانی ارکان نے سب سے زیادہ دلچسپی کے ساتھ سائنس اور طب کے عظیم الشان کالجوں کو دیکھا، اور دار الفنون مشرقی اور دارالعلوم اقتصادیات میں اپنے بہت سے شناسا حضرات سے ملے، سیواس ہٹل میں سرکار کی جانب سے ارکان کا خیر مقدم کیا گیا، اس موقع پر سائنس، علوم، دیاسیات کے بہترین افراد جمع تھے، اور صدر جلسہ سٹراٹفورد تھے، خبر یہ بھی سننے میں آئی کہ خود ملک معظم ارکان کو شرف باریابی بخشے والے تھے لیکن وقت نہ مکمل سکا،

۵۔ جولائی ۱۹۱۲ء سے کانگریس کا آغاز ہوا، صبح سویرے ہم لوگ اپیشل ٹرین سے لندن سے آکسفورڈ روانہ ہوئے، اور کمال عجلت کرنے پڑے جلسہ گاہ تک پہنچے، اجلاس اولی کی صدارت



لارڈ کرزن نے زمانی، اپنے خطبہ افتتاحیہ میں انھوں نے معذرت کی کہ سیاسی مصروفیتیں انہیں تعلیمی مسائل کی جانب متوجہ ہونے کی ہمت نہیں دیتیں، براہ منہم وہ دلچسپی کے ساتھ یونیورسٹیوں کی تعداد میں اضافہ اور اندرونی ترقیوں کا مشاہدہ کرتے رہے ہیں، خطبہ افتتاحیہ کے بعد کانگریس کے سامنے سب سے پہلا مسئلہ پیش ہوا کہ جدید نظام تعلیم میں سائنس اور ادبیات قدیم کے کیا کیا حصہ دینا چاہیے؟ ڈاکٹر فارمل، وائس چانسلر آکسفورڈ یونیورسٹی نے ادبیات قدیم (جن سے انکی مراد سنسکرت وغیرہ ہیں) بلکہ یونانی و لاطینی تھی کی پرورش و کالت کی، اور ان چیزوں کی تحصیل کو ادبیات موجودہ کی تکمیل کیلئے ناگزیر بتایا، پروفیسر ڈیش نے ایک مقالہ اہل سائنس کی تعلیم میں ادبیات کا مرتبہ کے عنوان سے پڑھ کر سنایا، جین انھوں نے ایک سائنسٹ کے نقطہ نظر سے بتایا کہ تنہا سائنس کی تعلیم پاتے رہے انسان میں ایک طرح کی کوتاہ نظری و تنگ خیالی پیدا ہو جاتی ہے، اسکو دور کرنے اور خیالات میں وسعت پیدا کرنے کے لئے قدیم و جدید تاریخ و ادب کی تحصیل از بس ضروری ہے،

دوسرا اجلاس سہ پہر کو شروع ہوا، اسکے صدر سٹراٹفرڈ تھے، اسوقت مضمون زیر بحث یہ تھا، مذہبیات، سیاسیات، و اقتصادیات معاشری کی تعلیم۔ اسکے ضمن میں یہ سوال چھڑا کہ یونیورسٹیوں کو سیاسیات سے کہاں تک الگ اور کہاں تک شامل رکھا جاسکتا ہے، سٹراٹفرڈ نے اپنا ذاتی عقیدہ یہ بیان کیا کہ قوموں کو اعلیٰ و پست میں تقسیم کرنے کے کوئی معنی نہیں، مونٹریل (کناڈا) یونیورسٹی کے پروفیسر مونٹ پیٹھ نے کہا کہ بیشک یونیورسٹیوں کو سیاسی اکھاڑ نہ بنادینا چاہیے تاہم پبلک میں شہریت و وطنیت کا صحیح احساس پیدا کرنا انکے فرائض میں داخل ہونا چاہیے تاکہ قوم مضری سیاسی اثرات سے محفوظ رہے اس گریڈ اور سر ولیم جارج نے بھی اس مباحثہ میں حصہ لیا، ان دونوں نے بھی اس پر زور دیا کہ کوئی مکمل نظام تعلیم ماحول ملکی و سیاسی سے بے نیاز رہ ہی نہیں سکتا، قوانین طبعی و آدمی سے بھی زیادہ ضروری ہے کہ قوانین فطرت بشری کو سمجھا جائے، پروفیسر برنٹ (مینٹ اینڈریو اسکالینڈ)

کی تقریر کا حاصل یہ تھا کہ ثانوی مدارس کو یونیورسٹیوں کی غلامی سے آزاد ہونا چاہیے، (اس سے معلوم ہوا کہ ہندوستان کی طرح برطانیہ کے بھی مدارس ثانوی یونیورسٹیوں کے استبداد سے نالاں ہیں) سر برل ہارڈو نے بھی یونیورسٹیوں اور مدارس ثانوی کے تعلقات کی خوشگوار سی پرزور دیا۔

شام کو کانگریس یونیورسٹی کی جانب سے ایک تقریب میں جملہ ارکان مدعو کئے گئے، جہاں باہمی تعارف، تفریح و تبادلہ خیالات کا موقع ملا، دوسرے روز کی کارروائی کا آغاز لارڈ ہالڈین کی زیر صدارت ہوا، اور بحث کیلئے یونیورسٹیاں اور انھوں کی تعلیم کا مسئلہ پیش ہوا، پہلے خود صدر نے تقریر کی اور مزید رد و ادب اور سرمایہ داروں کے درمیان نصاب تعلیم کی تفریق مٹا دینے پر زور دیا، سٹریسل کیلی، سٹریلونا رڈ (برٹل یونیورسٹی) سر گریگوری نامبر، اور سرمایگیل سٹراٹ (صدر کلکتہ یونیورسٹی کمیشن) نے اس مباحثہ میں حصہ لیا۔

سہ پہر کے اجلاس میں بھی اسی قسم کے مسائل پر بحث رہی کہ یونیورسٹی اور جماعت کے باہمی تعلقات کی کیا نوعیت رہنی چاہیے، لیڈس یونیورسٹی کے پروفیسر سویت ہلز نے اس پر زور دیا کہ موجودہ زمانہ میں جبکہ ایجاد و اختراع کی گرم بازاری ہے، انکوشش اسکی ہونی چاہیے کہ صنعت و حرفت کا مرکزی شہور تعلیمی مرکزوں کو بنایا جائے۔

تیسری صبح کو کانگریس کی کارروائی کے آغاز سے قبل آکسفورڈ یونیورسٹی کی مجلس خاص کی نشست ہوئی اور کناڈا و نیوزیلینڈ کے ایک ایک نمائندہ کے ساتھ کلکتہ یونیورسٹی کے رکن رکیں سٹریل رتن سرکار کوڈی، اسی، ال کی آئری ڈگری کا اعزاز عظیم عطا ہوا۔

اسکے بعد باضابطہ جلسہ شروع ہوا، آج موضوع بحث یہ تھا کہ یونیورسٹی کو اساتذہ کے تیار کرنے اور تجارت و صنعت و حرفت و انتظامات ملکی کی تعلیم دینے میں کہاں تک حصہ لینا چاہیے، سر ولیم ایٹلی نے تعلیم کو تجارتی اغراض کے قالب میں ڈھالنے کی پرزور و کالت کی، اور لندن یونیورسٹی



پروفیسر آدس نے فرمایا کہ اساتذہ کا تیار کرنا یونیورسٹی کے مقاصد اولین میں داخل ہے، اس  
حصن میں اسپرچی دھپ مباحثہ رہا کہ آیا ٹریننگ کالجوں (مدارس تعلیم) کو یونیورسٹی کا جزو ہونا چاہیے  
یا بجائے خود ایک مستقل شے ہونا چاہیے،  
سہ پہر کے اجلاس میں الیات کا انوسناک قصہ چھڑا، ہر یونیورسٹی نے اپنی اپنی داستان غم  
سنائی، اسکی سب کو شکایت تھی کہ مصارف کے مناسب آمدنی نہیں ہوتی، اتنے جزو پر سب  
متفق تھے لیکن اس میں اختلاف تھا کہ اس آمدنی میں کافی اضافہ کیونکر کیا جائے، ایک گروہ سرکاری  
امداد کا حامی تھا، کنڈا والے اپنا تجربہ سرکاری امداد کے متعلق نہایت خوشگوار بیان کرتے تھے،  
دوسرا گروہ اسکے بالکل مخالف تھا، اور سرکاری امداد پر عام پبلک کے عطایا کو ترجیح دیتا تھا،  
الغرض ایونگ نے جو اس گروہ کے سردار تھے، ان خطرات کو بیان کیا جو سرکاری امداد کی بنا پر  
سرکاری مداخلت سے پیدا ہونگے۔

آخری روز کی کارروائی کا آغاز یونیورسٹی کے ذرائع تحقیقات عالیہ (ریسرچ) سے ہوا، اس وقت  
لارڈ رابرٹ سیل تھے، انہوں نے تفصیل کے ساتھ ریسرچ کے فوائد بیان کئے اور اس کے  
نقدان کے نقصانات کی توضیح کی، انہوں نے کہا کہ مختلف اقوام کے اختلافات کو رفع کرنے والی  
دوران میں باہمی اخوت پیدا کرنے والی شے یہی ریسرچ ہے، اس سے صرف یہی نہیں کہ طالبان  
علم کی تربیت دماغی ہوتی ہے، بلکہ دنیا کے ذخیرہ معلومات میں بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے، دنیا میں  
امن و صلح اسی سے قائم رہ سکتی ہے، سر فریڈرک کینون نے تائید میں تقریر کی، ڈبلن (آئرلینڈ)  
کے پروفیسر جولی نے کہا کہ مردہ زبانوں کی تحصیل میں زیادہ وقت صرف کرنا وقت ضائع کرنا اور  
ریسرچ کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرنا ہے،

سہ پہر کے اجلاس میں جو افتتاحی اجلاس تھا، گفتگو اسپرچی کی کہ اساتذہ کو خصمت وقت

## اسوہ صحابہ

از مولانا عبدالسلام ندوی

سیر الصحابہ کی ایک جلد صہبن صحابہ کرام کے عفا ید عبادات، اخلاق اور طرز معاشرت کے دقائق  
و حالات ہیں، چھپکر تیار ہو گئی ہے، یہ کتاب اسلام کی عملی زندگی کا منبع ہے، اور ہر مسلمان کے لئے اسکا  
مطالبہ ضروری ہے، لکھائی چھپائی کا غذا علی صفحات ۳۵۰، قیمت ۳۰/-

منہج دار المصنفین



## تاریخ و تفسیر

### سلطنت مغلیہ اور ایک ہندو مورخ

الہ آبادیہ نورسٹی کے شعبہ تاریخ کی جانب سے جنرل آف انڈین ہسٹری کے نام سے جوہر ای رسالہ حال میں نکلتا شروع ہوا ہے، اس کے نمبر اول میں پروفیسر مینی پرشاد ایم، اسے اسٹینٹ پرفین تاج الہ آبادیہ نورسٹی نے حکومت منبہ پر ایک بسوط مضمون تحریر کیا ہے، اس میں وہ کہتے ہیں کہ "لفظ حکومت منبہ یا خاندان منبہ سے خیال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کوئی مخصوص نسل خاندان ہوگا جسکی

یہ حکومت ہوگی، لیکن یہ خیال تماشہ غلط ہے، بجائے نسل کے چغتائی ترک کہنا بیشک صحیح ہوگا، لیکن اس سے بھی ایک مخصوص خاندان کا تخیل پیدا ہوتا ہے، اور اسلئے اس لفظ کو بھی استعمال کرنا واقعہ کے خلاف ہوگا۔ حقیقت حال یہ ہے کہ سترہویں صدی عیسوی تک ہندوستان کے حکمرانوں کا کوئی مخصوص خاندان نہ تھا ہی نہیں، اور بادشاہ کے لئے نیز خاص اعیان سلطنت کے لئے کوئی مخصوص نسل یا خاندان نہ ہونا سطلق ضروری نہ تھا، معاصر مصنفین لفظ "نسل" کی دست سے خود

حیران ہو گئے تھے، اور دل سے گڑبگڑ کر اس کے معنی لینے لگے تھے، سبب انک، جو ساہا سال جہانگیر کے عہد میں ہندوستان میں رہا تھا، کہتا ہے کہ یہ لفظ ایرانیوں، ترکوں اور تاملوں سب پر عادی تھا، یہاں تک کہ اگر کسی کیون پر بھی اس لفظ کا اطلاق ہوتا تھا، اسکا اور سراسر اس روایتوں کا بیان ہے کہ اس لفظ کے معنی نسلوں کے تھے، اور مسلمان پر اسکا اطلاق ہو سکتا تھا، نیز بیان ہے کہ مسلمان اور سفید فام ہوا اس کے مفہوم میں داخل تھا، گوڑ اور فرار کہتے ہیں کہ اس لفظ کے معنی

نفس سفید فام کے تھے، اصل یہ ہے کہ تیرہویں اور چودھویں صدی میں جو یہ تمام مغول سرحد شمال مغرب پر ہر وقت جمع رہتے تھے، انکے باعث لوگ اس لفظ سے مانوس ہو چکے تھے، مابعد کی صدیوں میں اسکا اطلاق بالعموم ان تمام لوگوں پر ہونے لگا جو ۱۵۲۶ء میں بابر کے ہمراہ شمال مغرب سے ہندوستان میں داخل ہوئے، بابر بذات خود نیم چغتائی اور نیم نسل تھا، ہمایوں کی والدہ چغتائی تھی، اکبر نیم ایرانی تھا، جہانگیر نیم راجپوت تھا، اور شاہجہان ترک سے زیادہ راجپوت تھا، حکام سلطنت ہر قوم کے افراد ہوتے تھے، کسی قوم یا نسل کی تخصیص نہ تھی، ترک تاجی ایرانی، افغانی، ہندوستانی، مسلمان، ہندو سب برابر کے شریک تھے، درباری اعوانہ عہدہ محدودی نہیں ہوتے تھے، ہر منصب و عہدہ کا تعلق ذات سے ہوتا تھا۔

آگے چل کر پروفیسر موصوف کہتے ہیں کہ یہ قطعاً ناممکن تھا کہ اتنی عظیم الشان آبادی کو جو اس قدر وسیع رقبہ میں پسلی ہوئی تھی، کچھ عرصہ کے لئے بھی بڑو شمشیر محکوم و متقاد رکھا جاسکے، ایسا ہونا آج بھی حکیم قواعد ان و باضابطہ فوج کے چند سپاہی، بہت بڑی آبادی پر غالب آسکتے ہیں نہایت دشوار ہے لیکن اس وقت تو کہ جب ہر فرد رعایا سلح ہوتا تھا، اور جنگجوئی و خرد آزمائی کے اعتبار سے باضابطہ سپاہ و عام رعایا میں برائے نام ہی فرق ہوتا تھا قطعاً ناممکن تھا، منجلیہ حکومت کی بنیاد نہ زور شمشیر پر قائم تھی نہ مذہب پر نہ کسی ذات پات پر بلکہ

"محض عام رعایا کی رضا مندی و خوشنودی پر قائم تھی۔"

عامة الناس کی خوشنودی کا سب سے بڑا راز مذہبی آزادی و دروادی تھی، اکبر، جہانگیر، شاہجہان و داراکا ذکر ہمیں خود اور نگ زیب تک نے

"کبھی اسے بائبل پامال نہیں کیا۔"

"درا بڑا سبب رعایا کی خوشی کا معاشری آزادی تھی۔"



”تیسرا سبب رعایا کی وفاداری کا یہ تھا کہ منظم حکومت نے دیہات کی اس خود مختاری کو کبھی  
انتہہ نہیں بچایا جو مائٹن سے اٹھارہویں صدی تک ہندی نظام معاشرت کا جزو لازم تھا۔“  
مخلون نے قلاب ملک کے لئے کیا کیا کیا؟ اسکے جواب میں ضل مقالہ نگار کہتے ہیں کہ  
”انہوں نے سرکاری بنوائیں، شفا خانے تعمیر کرائے، اور علوم و فنون کی نہایت فیاضانہ قدردانی کی۔“

اسکے آگے ان مراعات کی تفصیل کی ہے جو جہانگیر نے اپنی تخت نشینی کے وقت اور اسکے بعد  
رعایا کے ساتھ کی تھیں، مثلاً شراب و تنباکو کی فروخت کی ممانعت کی، مشرقی بنگال میں خواجہ سراؤں کے  
بنانے کا جو بیدردانہ دستور جاری تھا اسے منوع قرار دیا، بہ کثرت جہان سراہین، اسجدین، مدرسے  
اور شفا خانے تعمیر کرائے، ہر بڑے شہر میں ایک سرکاری طبیب مقرر کیا، اور اوارٹون کی جائیداد کو بجای  
خزانہ سرکار میں داخل کرنے کے تالاب و چاہ، پل و مہمان سراے وغیرہ کی تعمیر میں صرف کرانے کے احکام  
جاری کئے، جاگیرداروں نے اپنے نفع کے لئے جو طرح طرح کے محاصل جاری کر رکھے تھے، انہیں بخوش  
کیا، دقین علی ہذا۔

”سلطنتِ ندیہ کی سب سے بڑی برکت کا ظہور اسکی سرپرستی علوم و فنون میں ہوتا ہے، فارسی  
تاریخوں میں ان ارباب فن و کمال کی طویل فہرستیں محفوظ ہیں جنہیں مخلون کی قدردانی نے خالصتاً  
سے اٹھا کر ادب و خوشحالی تک پہنچا دیا تھا، ماضی و ہندی شاعرانہ کے حالات پر حکمرانیت  
ہوتی ہے کہ انکی کتنی بڑی تعداد سرپرستی و ربار کی بہمن منت تھی، اس زمانہ میں دنیا کی کسی سلطنت میں  
سرپرستہ تعلیم نہ تھا، مخلون نے اسکی کافی اپنی وسیع علمی قدردانیوں سے کر دی، جہانگیر کی کوششوں  
اور قدردانیوں نے ہندوستان کی مصوری کو منتہا سے کمال پہنچا دیا۔۔۔ خوشنویسی کا شمار  
فنون لطیفہ میں ہونے لگا، موسیقی کی خاص ترقی ہوئی۔“

## کتابتِ پیکولی کی تاریخی و سانی اہمیت

ہندو قدیمہ کی مختلف چیزیں تاریخ کے لئے بہت کچھ مفید ہیں، پڑانے کے، تعلیم عمارات، شکتہ  
الغیر، مریوم کتبے، بوسیدہ کتابیں، اور عہد ماضی کی باقی ماندہ اشیاء، ایک طالب علم تاریخ کے لئے  
بہت کچھ اہمیت رکھتی ہیں ان سے اس عہد کی زبان، فن تعمیرات، طرز معاشرت، تاریخ، سلاطین، اور  
حالات عامہ پر کافی روشنی پڑتی ہے، اور یہی سبب ہے کہ مورخین نے جس دن سے کہ اسکی اہمیت محسوس  
کی ہے اسکا ایک مستقل فن بنا کر دنیا کے ایک ایک چہ کو چہاں ڈالا ہے، اور ہمارے سامنے شہادتِ تاریخی  
خزانہ کا انبار لگا دیا ہے، اسی سلسلہ میں ایرانی سرحد کے ایک مقام پیکولی حالات بھی یقیناً دلچسپ ہونگے۔

یہ مقام ترکی، ایرانی سرحد پر کردستان میں واقع ہے، سب سے پہلے ایچ، سی، رائسن نے جو  
خرق قریب کے شہر سیاح ہیں، ۱۸۴۲ء میں اسکا پتہ لگایا، بیان ایک بلندینار تھا جو اب بہت کچھ زمانہ  
موتوں تباہ و برباد ہو چکا ہے، اسپر دو مختلف زبانوں میں دو طویل کتبے ہیں، ایک پارتھین عہد کا پہلوی  
میں، اور دوسرا ساسانی دور کا، جب سے اس مینار کا پتہ چلا ہے، ماہران آثار نے اسکی طرف کامل توجہ  
بمزدور کر دی ہے، چنانچہ سرمنہزی نے وہاں جا کر کتبوں کے مختلف ۳۲ اجزاء کے فوٹو لئے، اور ۱۸۶۸ء  
میں آڈورڈ ٹامسن نے انکو زندہ و عبرانی دونوں خطوں میں شائع کیا تاکہ ان کے ترجمے ہو سکیں، لیکن افریکہ  
دوستند عالون، ایم، ہاگ اور نولیدی نے انکے متعلق جو فیصلہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ سترائسن کی دریافت کردہ  
مشتون در اس اعظم کی طرح یہی ایک ناقابل حل شے ہے۔

۱۹۱۱ء اور ۱۹۱۳ء میں ان انسٹ ہرنفیلڈ نے ہمت کر کے پر ایک مرتبہ تمام مواد کو جمع کرنے کی







نام فن	کتاب متقل	تراجم	رسالہ اور پمفلٹ
فلسفہ	۲۰۵	۱۸	۱۰
مذہب	۵۶۳	۳۶	۶۹
اجتماعیات	۵۳۶	۱۵	۲۲۰
قانون	۱۳۱	۳	۵۹
تقسیم	۱۴۳	۱	۶۶
فن حرب و متعلقات	۲۲۹	۲	۵۵
لسانیات	۱۲۶	۱	۶
سائنس	۴۴۶	۱۲	۶۳
صنایع	۲۵۰	۷	۱۷۱
طبیات	۲۶۹	۷	۵۶
زراعت و باغبانی	۱۲۶	۱	۵۸
تدبیر منزل	۴۶	—	۲
کاروبار و تجارت	۱۲۵	—	۳۰
فنون لطیفہ	۲۱۹	۲	۱۷
موسیقی	۵۳	۷	۵
سیر و شکار، کھیل کود	۱۱۲	۱	۱۰
ادب	۲۹۲	۱۶	۱۹
ڈراما اور نظم	۳۸۵	۲۵	۸۱

انسانہ

کتاب برای اطفال

تاریخ

سیاحت نامہ

جغرافیہ

سوانح عمری

کتاب جوامع (حوالہ جات وغیرہ)

میزان

میزان کل بابت ۱۹۲۱ء

۸۷۵۷

۱۹۲۰ء

۸۷۳۸

(ایضاً)

یوسیو ہیلن ایک فرینچ سائنٹسٹ نے حال میں ایک ایسی ایجاد کی ہے جسکی بنا پر ہزاروں میل کے فاصلہ سے انسان کا دستخط کر دینا ممکن ہوگا یہ ایک قسم کی تحریری لاسکلی (بے تار کی تار برقی) ہے جسکے ذریعہ سے یہ باکل ممکن ہوگا کہ ایک شخص بمبئی میں بیٹھا ہوا لندن، پیرس، یا نیویارک میں چک پر دستخط کر دے، یوسیو ہیلن نے اس لاسکلی تحریر کے ابتدائی تجربات چند سو کیلو میٹر کے درمیانی فاصلہ تک محدود رکھے، اسکے بعد انہیں بورڈو و پیرس کے درمیانی فاصلہ تک وسعت دینا چاہی، امریکہ کا محکمہ لاسکلی اس تجربہ کی کامیابی کا منکر تھا، اسلئے اسکی اجازت دینے میں بہت روک تھام لیت دے لعل کرتار سنگھ لیکن بالآخر اس نے اجازت دی، اور پیرس و نیویارک کے درمیان تحریری لاسکلی کا تجربہ کامیاب ثابت ہوا۔

(انڈین ریویو)



ایک دیوہیکل ڈوربین، جو اپنی جسامت و ضخامت کے لحاظ سے اپنا نظیر نہیں رکھتی، حال میں کا میغوریا (امریکہ) کی رصد گاہ مونت ولسن میں نصب کی گئی ہے، یہ رصد گاہ زمین سے ۵۰۰۰ فٹ کی بلندی پر ہے، ڈوربین کا قطر ۱۰۰ فٹ کا ہے، اس کے آئینہ کی دیباخت ۱۳۰ انچ کی، اور وزن ۱۲ ٹن (۲۲۰ من) کا ہے، اس کے رخ کو گردش دینے کے لئے ۳۵ برقی موٹروں کی ضرورت ہوتی ہے، اس کے بعض پرزوں کا وزن ۱۰۰ ٹن (۲۰۰۰ من) کا ہے، اب تک دنیا میں سب سے بڑی ڈوربین ۶۰ انچ کے قطر کی تھی، یہ ۱۰۰ انچ کے قطر کی ہے، توقع ہے کہ اس کی مدد سے ان دور دراز سیاروں اور ستاروں کی تصویریں لی جا سکیں گی جو اب تک دوسری ڈوربینوں کی رسائی سے باہر تھے۔ (۱۱)

ندھو کے مشہور صوفی شاہ عبداللطیف کے حالات و کرامات پر انڈیا سوسائٹی عنقریب ایک کتاب انگریزی میں شائع کیا جا رہی ہے، جس کے مصنف سٹرا ایم، ایم گڈوانی ایم۔ اے پروفیسر الفنسٹن کالج بمبئی ہیں،

۲۱۔ کی آخری سہ ماہی میں سر جان لنگ کے، سی، آئی، اے، اے اسکول آف انٹرنیشنل اسٹڈیز (دار الفنون شرقی) کے سامنے ہندو مسائل ہند کے متعلق دس لکچر دیئے، جس کے عنوانات حسب ذیل ہیں:

- (۱) عام جزائی و سیاسی خاکہ،
- (۲) نسلی و معاشری تفریقات،
- (۳) زرعی و اقتصادی ترقیان،
- (۴) صنائع و تجارت،
- (۵) تعلیمی پالیسی،
- (۶) قانون و امن،

جدید تحقیقات سے معلوم ہوا کہ فکر پریشانی کی حالت میں انسان جہاں سرد بھرتا ہو اس کا سبب یہ کہ انسان جب کوئی فکر و تشویش طاری ہوتی ہے تو چند سکند کے لئے پھیپھڑے کی حرکت معطل ہو جاتی ہے، اس کے بعد آکسیجن کی خواہش معاً بہت زور سے ہونے لگتی ہے اور انسان گہری سانس لینے لگتا ہے۔ (۱۱)

سہ ماہی مئی ۱۹۴۰ء - دسمبر ۱۹۴۰ء میں ایسٹ انڈیا ایسوسی ایشن (لندن) کے حسب معمول تین اجلاس ہوئے، پہلا جلسہ ۲۴ اکتوبر کو ہوا، اس روز عنوان یہ تھا، "ہندوستان میں مریضانہ جذام کا مسئلہ اور اس کا علاج" ڈاکٹر اولڈ ریو نے جو سالہا سال سے ہندوستان میں جذامی مشن کا کام کر رہے ہیں



(۷) دیہاتی خانگی زندگی،

(۸) مذاہب اور فرقہ،

(۹) ہندوستان ہنر و تیا جون اور صنعتوں کی نظر میں،

(۱۰) نظم و نسق، ماضی، موجودہ اور مستقبل،

(۱۱)

ہندوستان کی اورینٹل کالجز، جس کا پہلا اجلاس ۱۹۱۹ء میں بمقام پونہ منعقد ہوا تھا اور جسکی مختصر روداد اسی زمانہ میں معارف میں شائع ہوئی تھی، اسکا دوسرا اجلاس ۲۸-جنوری ۲۲ء کو کلکتہ میں یونیورسٹی کی جانب سے سینٹ ہاؤس میں منعقد ہوا، صدر مجلس مشہور فریج مشرق پر و فیسر سلون لیوی تھے، جنکی بابت کہا جاتا ہے کہ بہ لحاظ سنسکرت دانی دنیا میں اپنا نظیر نہیں رکھتے اور جو کچھ عرصہ سے ہندوستان میں ڈاکٹر نیگور کے مہمان ہیں، آغاز کار کالجز کے سرپرست لارڈ وائلز گورنر بنگال کی تقریر سے ہوا، پھر سر آسوتوش کرجی، دایس چانسلر کلکتہ یونیورسٹی نے استقبالی کمیٹی کے صدر کی حیثیت سے تقریر کی، اسکے بعد فاضل صدر نے اپنا محققانہ خطبہ صدارت ارشاد فرمایا جو قدرتاں زیادہ تر سنسکرت ادب کے مسائل سے تعلق تھا (اور اسلئے اسکا ترجمہ ناظرین معارف کے لئے دلچسپ نہیں ہو سکتا۔)

(کلکتہ ریویو)

اسکے بعد کالجز مختلف شعبوں پر تقسیم ہو گئی، اور ہر شعبہ کا علیحدہ صدر منتخب ہوا، ان شعبوں اور ان کے صدر نشین حضرات کے نام حسب ذیل ہیں :-

نام شعبہ

صدر نشین

(۱) وید و تعلقات وید

ڈاکٹر بوالکر ایم، اے پی، ایچ ڈی

(۲) ایرانیات

(۳) بودھ مذہب

(۴) سانیات

(۵) سنسکرت و پراکرت

(۶) فارسی و عربی

(۷) فلسفہ و ادبیات

(۸) تاریخ ملکی و علم السنین

(۹) تاریخ مذہبی و معاشری

(۱۰) جغرافیہ قدیم

(۱۱) اثریات

(۱۲) سائنس (علوم حکیمہ)

(۱۳) علم الاقوام

شمس العلماء ڈاکٹر جید بنی جیشہ جی سودی

ریورنڈ اناگاریکا دہپال،

ڈاکٹر تارا پور دالابی، اے پی، ایچ ڈی،

ہما مہوپا دھیا ہر پرشاد شاستری

لفٹنٹ کرنل ڈاکٹر رنکین، ایم، اے ایم، ڈی،

شاستری کپوسوامی،

راؤ بہادر ٹرا سہما چار ایم، اے،

ڈاکٹر شاماساستری بی، اے پی، ایچ ڈی،

کے بی، جیسوال، ایم، اے،

راؤ بہادر کرشن شاستری،

راؤ بہادر جوگیش چندر راسے،

راؤ بہادر اننت کرشن اکیر،

(ایضاً)

لندن کے دارالفنون شرقی (اسکول آف اورینٹل اسٹڈیز) نے پچھلی جنوری میں اپنی زندگی کے پانچ سال پورے کئے، جن مقاصد و توقعات کے ساتھ اسکا افتتاح ہوا تھا، ماہرین فن کے نزدیک وہ ایک ایک کر کے پورے ہو رہے ہیں، اسوقت مشرق کی چالیس زبانوں کا درس اس مدرسہ میں دیا جاتا ہے اسکے اعلیٰ انسر سر ڈینس راس ہیں، جو فارسی زبان کے پروفیسر بھی ہیں، عربی کے پروفیسر ڈاکٹر آرنلڈ مصنف "دعوت اسلام" ہیں، ڈاکٹر بارنیٹ قدیم ہندو تاریخ کے لکچرر ہیں، ایک جدید پروفیسر شپ



# انشار علیہ السلام

خطاب آتھنہ و الشکر

من

الجمعیۃ الاسلامیۃ بکمبرج

إلی جناب الأستاذ الأجل ادوارد برون

أستاذ اللغة العربیۃ بجامعة کمبرج بجناسۃ بلوغه الستین من عمره

آیہا الأستاذ الأجل!

إن خدماتکم الجلیلة فی نشر آداب الأمم الإسلامیۃ و البحث فی غامض علومها و ما قدّمتموه من الجّد المتواصل لإحياء اللغة العربیۃ فی هذه الجامعة ترک أثراً باقياً و ذکراً خالداً فی أنحاء بلاد المسلمین و نفوس أفرادها لدرجة یعجز البیان عن وصفها، فلذلك تنتهز الجمعیۃ الإسلامیۃ بکمبرج فرصة عید میلادکم السّعيد لتقدم لکم تہانیه القلبیۃ و شکرها التّواکد مبتہلة إلی المولیّ العلیّ التقدير أن یعید من أمثال هذا العید علیکم بالعرف و الرّفاہیۃ و الہناء و السّلام

من أصدقائکم المخلصین  
اعضاء الجمعیۃ الإسلامیۃ  
بکمبرج

۹ جمادی الآخری سنة ۱۳۴۰  
الموافق ۷ فبرایر سنة ۱۹۲۲ء

اس نام سے کھلی ہے، انگریزی مقبوضات ایشیا، خصوصاً ہندوستان کی تاریخ و تمدن، اس جگہ پر سر ڈاؤنیل کا تقریر ہوا ہے جو معاملات ہند کے محقق تسلیم کئے جاتے ہیں،

(ڈاکٹر ایجوکیشنل سلیمنٹ)

طلبہ کی سال بسال تعداد حسب ذیل رہی :-

۱۲۵	۱۸-۱۶
۲۱۴	۱۹-۱۸
۳۸۲	۲۰-۱۹
۵۳۹	۲۱-۲۰
۴۱۲	

موجودہ طلبہ میں، شعبہ السنہ مشرقیہ میں سب سے بڑی تعداد عربی زبان لینے والوں کی ہے اور اسکے بعد اردو والوں کی، مختلف زبانوں کے لینے والے طلبہ تعداد ذیل میں ہیں :-

۶۴	عربی
۵۵	اردو
۴۲	چینی
۳۰	فارسی

آئندہ سال سے سنکرت زبان کے لئے بھی ایک پروفیسر مقرر ہوگا۔

(ایضاً)







دل میں نہ کیوں خلیل کے ذکر سے ارتعاش ہو

مطلع مهر و ببری خانه بت تراش هو

کون سا ہے جا کے آ، حال یہ بزم یار میں

کب سے پڑا ہوا ہے جوشِ دوزخِ انتھار میں

دل سے گداز کر بیٹھ کر میری نظرمیں لائے کیون

جبکو خیال راز ہو، تازہ سے شکر اے کیون

زیرگون میں دوڑ جائے، پرودہ دل جلاؤ دو

دیکھنا رقص پھر مرا، پہلے نقاب اٹھا تو درد

ہر مکان میں تم مکین، میں ہوں مکان سے بیخبر

دھونڈھی نوں گائیں تہیں، جھکومرا پتا لودو

تم کو غور دنا ہے، تم ہو تغافل آشنا،

اچھا اگر یہ بات ہے دل سے مجھ پر ہنسنا تو دو

قندپاسی

مولانا حمید الدین صاحب بی ۱۷۷

دُرّہ عشقی جہانِ عقل را غارتگر است

پنبه اگر صد توده باشد آفتش یک انگشت

جزیه کاری نباشد عشق با تزداسنی

کاتش انگیز دس اسر دو دگر هیزم تر است

ہردلی کا بادشاہ ہے داغ عشقی کے بود

خانہ کا بادان بود بہر شجر مرغ درخوردست

عقل و دانش عائقان را خوش کند و دردمش

کہ کنند گردن پر دانه خود بال پر است

کین اختیاری کیسی اب ساکون نے راہین

دل پر نظر نہیں ہے، جیسوں پہ ہن نگاہیں

تعلیم دی جنوں نے رندوں کو بانیکن کی

رستہ ملا جو سید ہمارے کج ہو گئیں کلاہین

عشق سے مست ہوں، مجھ کو ساغرِ ہوش سی غرض

مُتْرکِ بیاہ چشم کو سرمہ فروش سے غرض

اے کچھوٹی خیر و شر آپ میں حبِ مال دُر

آپ جنون سے بے خبر آپ کو جوش سے غرض

عقل خود سے ارتباط، روح کو دھمکنگ ہے

یائے خون اُدھر نہ جا وشت شعور تنگ

(۱) حسن و عشق کا ملک سر عمار کے

در حدیثی است که فرموده است که هر کس که

زیر ہر ایک عہدِ رحمت منائے شاد ہو

تجسہ بہانہ ساز کو، مجسما خوش اعتقاد ہو

میں سے وفارست اگر کار خدایہ کہ جو طوری

الاجزاء کے درجہ اولیٰ

اگر قریب مرگ ہے، مختصر سوز و ساز ہو

زلف بدوش ادرخی اسم عم قری درازبو

فکر کشید سازیم و خوشی که در آن است

ما في هذا من حكمة



## مطبوعات علیہ

آثار السنن، مولانا محمد بن علی شوق نیوی عظیم آبادی مرحوم ہمارے ان علمائے متاخرین میں  
جین علمائے متقدمین کے کارناموں کی جہلک پائی جاتی تھی، مولانا مرحوم غانی حنفی تھے، ان کا خیال تھا کہ  
چونکہ علمائے احناف نے فقہ کے باعتبار حدیث کی طرف کم توجہ کی، اسلئے عام حدیث خوانوں کو حنفی مسائل  
زیادہ تر حدیث کے مخالف معلوم ہوتے ہیں، اسی ضرورت کو پیش نظر رکھ کر وہ آثار السنن کے  
نام سے کئی جلدوں میں ایک مجموعہ حدیث مرتب کرنا چاہتے تھے جس سے حنفی مسائل کی صحت اور  
آثار السنن سے ان کا ماخذ معلوم ہو، مرحوم اس مجموعہ کے صرف دو حصے مرتب کر سکے تھے کہ وفات پائی  
یہ مجموعہ متحد حیثیات سے قابل قدر ہے، فقہی ادب پر اسکی ترتیب ہے، اور حنفی مسائل کی مؤید حدیثیں  
ان میں درج ہیں، بجا بجا احادیث پر نقد بھی ہے، اور فقہاء و محدثین کے مذاہب بھی بتلائے ہیں، قیمت  
لکھی نہیں، غالباً ڈیڑھ دو روپیہ ہوگی پتہ: رحمانہ پریس بونگیر،

ضمان الفردوس، مولانا مفتی عنایت احمد صاحب مرحوم جو شہ ۱۳۵۷ھ کے ان علماء میں تھے  
جنہوں نے حق و صداقت کی خاطر جس دوام کی سزا برداشت کی، اور اس عالم میں بھی ان کا قلم علم کی  
خدمت کے لئے آزاد اور میاں رہا، اردو میں تاریخ حبیب الہ انکی شہور کتاب ہے، یہ رسالہ بھی انہی کی  
تصنیف ہے، ہمیں حفظ لسان اور پاکدامنی کے متعلق احادیث جمع کی گئی ہیں مفتی صاحب کا نام رسالہ  
کی جامعیت اور استناد کے لئے کافی ہے، قیمت ۵ رو

احکام موئی: مولوی سید شاہ غنیست حسین صاحب نے اس رسالہ میں مردوں کی تعمیر تکفین  
کے متعلق ہر قسم کے معلومات کتب فقہ سے فراہم کر دیئے ہیں قیمت ۴ رو، رحمانہ پریس بونگیر سے طلب کیجئے

مختصر تاریخ اسلامی: شیخ محمد الدین خیاط مصری نے اسکولون میں تعلیم کے لئے تاریخ اسلام کا  
ایک سلسلہ لکھا تھا جو بچوں کے لئے نہایت مفید ہے، اہم مدت سے اسکے ترجمہ کی ضرورت محسوس  
کر رہے تھے، خوشی کی بات ہے کہ مولوی غلیل رحمان صاحب لاہور نے اس کام کو خوش اسلوبی کے  
ساتھ انجام دیا، اور ان کتابوں کا سہل سلیس، اور عام فہم ترجمہ کی قدر حذف و اضافہ کے ساتھ کر دیا ہے  
یہ سلسلہ چار حصوں میں منقسم ہے جو بہ ترتیب ذیل ہیں:-

حصہ اول عہد نبوت ۸، دوم خلافت راشدہ ۹، حصہ سوم بنو امیہ ۱۰، حصہ چہارم  
بنو عباسیہ ۱۱،

ہکو آئید ہے کہ قومی اسکولون میں یہ سلسلہ رواج پائیگا، پتہ: عبد الرشید اینڈ برادرز دارالکتب لاہور  
نئی زبان: انجمن ترقی اردو نے وضع اصطلاحات کا جو اہم کام اپنے ذمہ لیا تھا اسکا ایک  
نومہ رسالہ اردو کے ذریعہ سے نکا ہون کے سامنے آچکا ہے، یعنی اسکے دو نمبروں میں فزکس وغیرہ کے  
اصطلاحات شائع ہو چکے ہیں، جناب محمد سراج الدین صاحب طالب نے اس مختصر رسالہ میں ان پر  
تکملہ چینی کی ہے، پتہ: پرانی حویلی حیدر آباد دکن، نمبر مکان ۴۴۴۴،

ہالولن: آنریبل جسٹس میان محمد شاہدین مرحوم کی یادگار میں ان کے لائق صاحبزادہ سیان  
خیر احمد صاحب بیرسٹریٹ لائن نے یہ ادبی رسالہ لاہور سے جاری کیا ہے، مولوی تاجو رح صاحب فاضل دیوبند  
ای ٹریک تحریر ہیں، اس وقت تک اسکے دو نمبر نکل چکے ہیں، کوشش لگائی ہے کہ رسالہ مذاق اعلیٰ کو تسلی دیکے،  
جناب کے بعض قدیم اہل قلم جو مخزن کے بعد کچھ افسردہ سے ہو گئے تھے، اسکے صفحات میں گردن بدلتے ہوئے  
معلوم ہوتے ہیں، کاغذ، لکھائی، چھپائی عمدہ ہے، مضامین بھی خاصے ہوتے ہیں، لیکن خرافات و ادرت کی  
مبہر بیان بعض اوقات معیار سے کمتر مضامین کی اشاعت کا باعث بھی ہو جاتی ہیں، ملک ہند کے  
ذریعہ تعلیم میان محمد شفیع صاحب کے قلم سے دو صفحہ کا ایک مضمون تعلیم پر نکلا ہے، ہکو ہندوستان کے



ایک اعلیٰ ترین اہر تعلیم سے جس بلندی پایہ کی توقع ہو سکتی تھی اسکو چھوڑ کر ایک معمولی مضمون نگار کی حیثیت سے بھی افسوس ہے کہ ہم اس دو صفحہ مضمون کی کوئی داد نہیں دیکھتے،

ہمایون کے لئے ایک خال ہمایون یہ ہے کہ اس نے بعض احوال اور اعلیٰ عہدہ داران سلطنت کو بھی اپنی طرف ملتفت کیا ہے جو ملک کے علمی کاموں کی طرف شاید ہی کبھی متوجہ ہوتے ہیں، قیمت ۱۵/-  
مزرنگ روڈ، لاہور۔

نگار: اس نام کا ایک علمی اور ادبی رسالہ صوری اور معنوی خوبیوں کے ساتھ جناب سووی نیاز فیتوری کی ایڈیٹری میں اگر وہ سے نکلتا شروع ہوا ہے، جناب نیاز ایک کہنہ مشوق انظار پرداز ہیں اسلئے انکی ادارت میں ایسے رسالہ کا شائع ہونا اسکی خوبی کی ضمانت ہے، نیاز صاحب کے معاون جناب محمود دبی (اے)، اکبر آبادی ہیں، مضامین نظم و نثر لطیف اور دلچسپ ہیں، یہ کوشش کی ہے کہ سائنس، ادب، اور لطائف و نکات سب یکجا کر دیئے جائیں، جناب نیاز کی خدمت میں کیا یہ پیشگی گزارش مناسب ہوگی کہ وہ اسکو نقداً بنانے کی کوشش نہ کریں گے، ضخامت ۸۰ صفحات، تقطیع بڑی، قیمت ۵/-، پتہ: نگار، اگرہ،

جہان آرا یکم: تیوری خواتین میں جہان آرا یکم خوش قسمت ہے کہ اردو میں اسکی دو مستند اور بخیرہ سوانح عمریان لکھی گئی ہیں، اس سے پہلے مولوی محبوب الرحمن صاحب یکم بی، اے اسکی ایک سوانح عمری لکھی ہوئی تھی اب جناب ضیاء الدین احمد صاحب برنی بی، اے نے اسکی دوسری سوانح عمری لکھی ہے، پہلے میں زیادہ تر یونین اہل قلم کی تنقید ہے اور اس میں علمی پہلو زیادہ نمایاں ہے، فارسی کی اصل تاریخوں کی عبارتیں نقل کی گئی ہیں، جہان آرا کی تصنیف سونس لارواج کی ایک مطلقاً صفحہ موجودہ دار تصنیفیں، اور یکم کی ہر کے فوٹو بھی اس میں دیئے گئی ہیں، یہ ہر ارقہ ہمارا شکر ہے ایک ہندو رئیس کے قبضہ میں ہے، آخرین یکم کے فرامین اور بعض نادر سیاسی مراسلات بھی درج کئے گئے ہیں، کتاب مستند و معلومات اور بخیرہ ہے، اس پر ال ملک اسکی قدر کیلئے قیمت ۵/-، پتہ: عبد القدیر والاخوان تاجران کتب، دہلی۔

جلد ۹

۱۳۴۰ء مطابق اپریل ۱۹۲۲ء

عدد چہارم

## مضامین

### شذرات

۲۴۲ - ۲۵۰

۲۵۱ - ۲۵۵

۲۵۶ - ۲۶۸

سیلیان ندوی

مولانا عبد السلام ندوی

خلافت عثمانیہ اور دنیاوی اسلام

اشرف علی خان فغان

سراج الدین ظفر شاہ اور مرزا

مولوی حافظ احمد علی خان صاحب راپوری ۲۶۹ - ۲۹۶

غالب کی زندگی کا ایک گم شدہ ورق

اسپریٹل لائبریری کلکتہ،

۲۹۷ - ۳۰۱

۳۰۲ - ۳۰۶

۳۰۷ - ۳۱۰

جناب عزیز بکھنوی، نواب علی حسن خان، سجاد انصاری، ۳۱۱ - ۳۱۳

۳۱۴ - ۳۱۷

۳۱۸ - ۳۲۰

آثار مصر

اخبار علیہ

ادبیات

سلسلہ حق

مطبوعات جدیدہ

## اسوہ صحابہ

سیر الصواب کی ایک جلد جس میں صحابہ کرام کے عقاید، عبادات، اخلاق اور طرز معاشرت کے واقعات و حالات ہیں، چمکتا رہو گئی ہے، یہ کتاب اسلام کی عملی زندگی کا مرقع ہے، اور ہر مسلمان کے لئے اسکا مطالعہ ضروری ہے، رو بہ رنج

کتابی چھاپائی کاغذ اعلیٰ، صفحات ۲۵۰، قیمت ۵/-